یا معین　　　　　　　　　　ہو الکل

اسلامی تاریخ کا پہلا حصہ

میلاد نامہ

اور

رسول بیتی

اسلامی تاریخ کی تمام ابتدائی معلومات اور مولود شریف میں پڑھنے کے
معتبر حالات

از

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی

کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی نے
اپریل ۱۹۳۸ء میں دسویں بار شائع کیا اور
محبوب المطابع دہلی میں طبع ہوا

دسواں ایڈیشن　　　　　　　　　　قیمت ۸ر
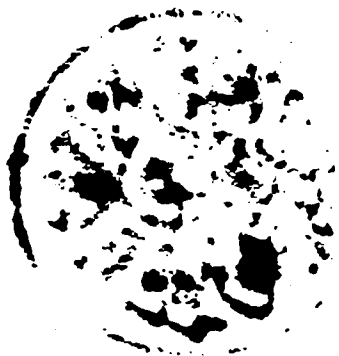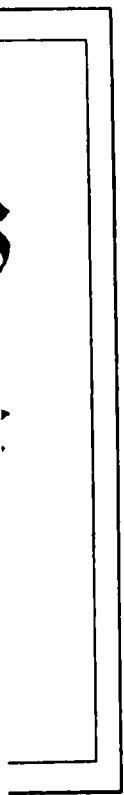
قصئی اپنے خاندان قریش اور تمام عرب قوموں میں ولی اللہ اور بڑے بزرگ مانے جاتے تھے۔

عبدمناف

آنحضرت کے سگڑ دادا عبد مناف تھے۔ ان کے دو لڑکے ہاشم اور اُمیہ جوڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جن کو تلوار سے جدا کیا گیا تھا، ہاشم کی اولاد میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے اور حضرت علیؓ ہوئے اور اُمیہ کی اولاد میں ابوسفیان، معاویہ اور یزید ہوئے جنہوں نے کربلا میں امام حسینؓ کو شہید کیا۔ کہتے ہیں، ہاشم اور امیہ میں اول سے لڑائی اور دشمنی رہتی تھی، جس کا اثر آخر تک رہا۔

ہاشم

آنحضرت کے پردادا ہاشم تھے، ہاشم کے معنی سالن میں روٹی توڑ کر بھگونے والے کے ہیں۔ یہ حاجیوں کو روٹیاں سالن میں چور کر کھلایا کرتے تھے۔ اس واسطے ان کا نام ہاشم ہو گیا۔

آپ عبدمناف کے سب لڑکوں میں بڑے تھے۔ اس واسطے کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی قرار پائے تھے۔ ان کی عزت دیکھ کر اُمیہ جل گیا۔ اور اس نے انکی دیکھا دیکھی لنگر جاری کیا۔ مگر منہ کی کھائی اور نباہ نہ سکا تو کھسیانا ہو کر لڑائی پر آمادہ ہوا۔ لوگوں نے کہا۔ لڑو مت، فلاں مقام پر ایک کاہنہ (جادوگرنی) رہتی ہے اس کے پاس جاؤ جو وہ فیصلہ کر دے وہ ٹھیک، دونوں بھائیوں نے اس کو مان لیا، اور قرار پایا کہ اگر کاہنہ نے ہاشم کو بڑا اور لائق بتایا تو اُمیہ پچاس اونٹنیاں جرمانہ دے اور دس برس مکہ سے جلاوطن رہے، اور اگر امیہ کو بڑا اور لائق کہا، تو ہاشم یہ سزا قبول کریں۔ دونوں اس پر راضی ہو کر کاہنہ کے پاس گئے۔

اس نے ہاشم کے چہرے پر نور محمدی دیکھا تو حیران ہو گئی اور بولی، ہاشم بھی بڑا اور اس کی اولاد بھی بڑی۔ اس کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔

ہاشم شرط جیت گئے اور اُمیہ کو دس برس جلاوطن ہونا پڑا۔

حضرت سعدؓ نے پہلے آنحضرتؐ سے پوچھا، جو میں فیصلہ کروں گا، اس کو آپ مانیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں مجھے اس کے ماننے میں کچھ عذر نہ ہوگا، پھر انہوں نے یہودیوں سے کہا، تم بتاؤ، وہ بولے جو تم فیصلہ کروگے، ہم بسر و چشم قبول کرینگے کہ تمہارا ہمارا صدہا برس کا ساتھ رہتا آیا ہے۔

اس وقت سعدؓ نے حکم دیا، یہودیوں کے سب لڑائی کے قابل آدمی قتل کردیئے جائیں، اور مال و اسباب، جورو، بچے، مسلمانوں کے لونڈی غلام بنائے جائیں۔

یہودی اس فیصلہ سے سناٹے میں رہ گئے، مگر کیا کرسکتے تھے، فوراً ان کی گردنیں اڑدی گئیں۔

لکھا ہے، ان میں ایک عورت بھی قتل کی گئی تھی، کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو شہید کردیا تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ عورت میرے پاس بیٹھی ہنس ہنس کے باتیں کررہی تھی، اتنے میں اس کو آواز دی گئی، اور وہ چلی، میں نے کہا، بیٹھ کہاں جاتی ہے؟ بولی قتل ہونے کو، میں نے کہا، جھوٹی ہے، مسلمان، عورتوں اور بچوں کو نہیں مارا کرتے، تو اس نے قہقہہ لگاکر کہا، عشقِ شوہر پر جان دیتی ہوں، میں نے اپنے خاوند سے عہد کیا تھا کہ تیرے قتل کے بعد مسلمانوں کی لونڈی نہ بنوں گی، اس واسطے میں نے ایک مسلمان کو مارڈالا، تاکہ اس کے عوض میں بھی خاوند کے ساتھ دنیا سے چلی جاؤں، چنانچہ وہ ہنستی ہوئی گئی، اور گلا کٹوالیا اس دن چھ سات سو یہودی مارے گئے تھے

اس وقت کی نازک حالت میں یہی مناسب تھا کہ ان آستین کے سانپوں کو کچل دیا جائے، جو ہر وقت دشمنوں کے ساتھ ہوکر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔

۶ سنہ ہجری

اس سال یوں تو بہت چھوٹے چھوٹے واقعات ہوئے، مگر حدیبیہ کا بڑا واقعہ ہے اور وہ یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا، جیسے مکہ گئے ہیں، اور حج کر رہے ہیں، آپ کو زیارت کعبہ کا شوق ہوا، اور تیرہ سو آدمی اور قربانیوں کے اونٹ لیکر آپ مکہ تشریف لے گئے، لیکن مکہ کے قریب حدیبیہ مقام پر معلوم ہوا کہ مکہ والے کفار لڑائی پر آمادہ ہیں، اور وہ آپؐ کو مکہ کی زیارت نہیں کرنے دیں گے۔ تو آپؐ نے حضرت عثمان رضؓ غنی کو ایلچی بنا کر بھیجا کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں، زیارت اور عمرہ (چھوٹا حج) کر کے چلا جاؤں گا۔

حضرت عثمانؓ وہاں گئے ہوئے تھے کہ خبر آئی، کفار نے ان کو شہید کر دیا۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑا جلال آیا، اور آپ نے صحابہ سے پوچھا اب کیا کرنا چاہیے؟ ان سب نے کہا ہم جانیں قربان کر دیں گے، آپ فکر نہ کیجئے، اور چلئے، کافروں سے مقابلہ فرمائیے، آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہ رضؓ سے بیعت لی، اور ہر ایک نے جوش و خروش سے مرنے مارنے کا آپ کے ہاتھ پر عہد کیا، اتنے میں معلوم ہوا خبر غلط ہے، حضرت عثمان رضؓ زندہ ہیں، اور کافر صلح کرنی چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایسی شرائط پر صلح ہوئی، جو سوائے آنحضرتؐ کے کسی مسلمان نے پسند نہ کیں، مگر آنحضرتؐ نے چونکہ ان شرائط کو قبول کر لیا تھا، اس واسطے سب چپ ہو گئے، اور آنحضرتؐ بغیر حج کے واپس چلے آئے، دوسرے سال اس صلح کے سبب آپ نے مکہ جا کر عمرہ کی قضا ادا کی۔

یہ بیعت خدا کے ہاں مقبول ہوئی، اور قرآن شریف میں آیت نازل ہوئی کہ جنہوں نے تم سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، اللہ ان سے راضی ہوا اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

اسی سال آنحضرتؐ نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خط بھیجے، اور ان کو خدا کے سچے دین میں شامل ہونے کا بلاوا دیا، حبش کے نجاشی نے تو اسلام قبول کرلیا، اور کھلم کھلا مسلمان ہوگیا، روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی آپ کے قاصد اور خط کی عزت کی، اور مسلمان ہونا چاہا۔ مگر اس کی رعیت اور امیر امراء نہ مانے جس سے وہ مجبور ہوگیا، ایران کے بادشاہ کسریٰ نے آپ کا خط چاک کردیا، اور بگڑ کر بولا۔ یہ کون بے ادب ہے، جس نے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، کیونکہ آنحضرتؐ نے خط یوں شروع کیا تھا، "محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ ایران کے نام" کسریٰ نے آنحضرتؐ کے خط کی ہی بے ادبی نہیں کی بلکہ اپنے صوبہ دار یمن کو جس کا نام بازان تھا حکم بھیجا کہ دو شخص محمدؐ کے پاس مدینہ میں بھیج تاکہ وہ اس کو پکڑ کر میرے پاس لے آئیں، پھر میں اس کی گستاخی کا مزہ چکھادوں، بازان نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور دو سردار آپ کی خدمت میں بھیجے، جب یہ دونوں آپ کے سامنے پہنچے تو ان کی ڈاڑھی مونچھ منڈی ہوئی تھی، آنحضرتؐ کو ان کی یہ صورت بُری معلوم ہوئی، اور آپ نے فرمایا، تم نے یہ کیا شکل بنائی ہے، وہ بولے ہمارے خداوند بادشاہ ایران کا یہی حکم ہے کہ ڈاڑھی مونچھ صاف رکھو، آپ نے فرمایا۔ میرے خداوند کا تو یہ حکم ہے ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔

اس کے بعد ان آدمیوں نے آنحضرت کو کسریٰ کا پیام دیا اور کہا آپ کو کسریٰ کے پاس چلنا چاہئیے، ورنہ وہ آپ کو اور آپ کی قوم کو تباہ کر دیگا۔ آپ نے فرمایا اچھا کل صبح جواب دوں گا۔ دوسرے دن جب وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد کیا، جاؤ تمہارے بادشاہ کو اسی طرح پیٹ چاک کرکے مار ڈالا گیا جس طرح اس نے میرا خط چاک کیا تھا، اور یمن کے حاکم بازان سے کہدینا کہ وہ مسلمان ہوجائے تاکہ پھر یمن کی حکومت اس کو دیدوں۔

ایلچی یمن گئے اور باذان سے یہ کیفیت بیان کی، اس نے کہا اب تک تو ایران سے کوئی خبر آئی نہیں۔ اگر یہ سچ ہوا کہ بادشاہ مارا گیا ہے، تو میں مان لوں گا کہ بیشک محمدؐ پیغمبر ہیں۔

دوسرے روز شیرویہ بادشاہ ایران کا حکم آیا کہ میں نے خسرو پرویز کو قتل کر دیا، اور اس کی جگہ تاجداری ایران میرے حصہ میں آئی ہے، تو میری اطاعت کر اور مدینہ والے شخص سے کچھ پرخاش نہ کر۔

باذان اس خبر کو سنتے ہی مسلمان ہو گیا، اور اس کے سبب یمن کے اکثر باشندے بھی اسلام لے آئے اور اس طرح ایک بڑا صوبہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

۷ھ ہجری

جنگ خیبر۔ ہمارے ہندوستان میں کابل جاتے وقت پہاڑ کا ایک درہ آتا ہے، جس کا نام خیبر ہے مگر جہاں آنحضرتؐ کی جنگ ہوئی، وہ خیبر ملک حجاز کے پاس ہے یہ ہمارا خیبر نہیں ہے۔

اس لڑائی کا سبب محض یہودیوں کی شرارت اور اسلام سے دشمنی تھی، بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں کا حال خیبر کے یہودیوں نے سنا تو انہوں نے آنحضرتؐ پر چڑھائی کی تیاری کی، آپ کو معلوم ہوا تو خود ان پر چڑھ گئے، ان کے کئی قلعے تھے۔ جن میں بند ہو کر وہ خوب لڑے، لیکن آخر شکست کھائی، کئی قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے، مگر آخری قلعہ قموص رہ گیا، جو بہت مستحکم تھا، انہی دنوں میں آنحضرتؐ کے آدھا سیسی کا درد ہو گیا، جس کے سبب آپ گھر سے تشریف نہ لا سکے، آپ اور آپ کے قائم مقام صحابہ نے کئی روز حملے کئے، مگر کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کل میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو خدا رسولؐ کا بہت پیارا ہے صبح کو حضرت علیؓ مدینہ سے پہنچے، کیونکہ آنکھیں دکھنے کے سبب فوج کے ساتھ نہ آ سکے تھے، آنحضرتؐ نے ان کو جھنڈا دیا، اور انہوں نے قموص کا قلعہ فتح کیا، اور

مرحب نامی بڑے سردار کو مار ڈالا۔
خیبر سے مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا، اور ان کے سب سے بڑے سردار کی بیٹی صفیہ رضؓ نے آنحضرت سے نکاح کیا۔
یہیں خیبر میں ایک یہودی نے آپ کو کھانے میں زہر دیا، جس کا ایک ہی لقمہ آپ نے کھایا تھا، جو معلوم ہو گیا، کہ اس میں زہر ہے، جب بھی اس زہر کا اثر باقی رہا، اور وفات کے وقت آپ فرماتے تھے، کہ اسی زہر نے اپنا رنگ دکھایا ہے۔
خیبر کے قریب ہی فدک نامی ایک قلعہ تھا، وہاں کے باشندوں نے بغیر لڑے ہتھیار رکھ دیئے، آنحضرتؐ نے فدک کی آدھی آمدنی وہاں کے باشندوں کو دی، اور آدھی اپنے صرف خاص یا جیب خاص کے لئے مقرر کی، اور خیبر کا باقی ملک صحابہ میں تقسیم کر دیا۔
یہی وہ فدک ہے جس کا ذکر شیعہ سنّی کے جھگڑوں میں آیا کرتا ہے، اسی سال مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ کے دعوت اسلام کے جواب میں نیازمندانہ قاصد بھیجا اور دو لونڈیاں تحفۃً ارسال کیں، جن میں ایک ماریہ نامی آنحضرتؐ کی حرم بنیں اور ان سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔
اسی سال آپ نے عمرہ کی قضا مکہ جا کر ادا کی، اور کافروں نے صلح نامے کے سبب تین دن کے لئے آپ کو مکہ میں رہنے کی اجازت دیدی، جس وقت آپ کے صحابہ مکہ میں داخل ہوئے، تو کفار نے کہا، اب یہ لوگ مدینہ کی بُری ہوا سے کمزور ہو گئے ہیں، آنحضرتؐ نے سنا تو حکم دیا کہ مسلمان اکڑ کر اور تن کر طواف کریں، تاکہ کفار کو معلوم ہو کہ ہم چست اور تندرست ہیں، اس دن سے یہ رسم ہو گئی، اب حاجی لوگ کعبہ کے طواف کے بعض چکر اکڑ کر اور تن کر

کرتے ہیں۔

آپ کی اونٹنی کعبہ کے سامنے پہنچی تو کفار صف باندھ کر دیکھنے کھڑے ہوگئے، ایک صحابی مہار پکڑے آگے آگے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:۔

"ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، کفار کے بچو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ رسولؐ کی سواری آتی ہے، خیر و برکت والے رسولؐ کی سواری آتی ہے،

اے خدا! میں نے تیرے رسولؐ کا کہا مانا ہے، اور تیری پہچان کا حق ادا کر رہا ہوں۔"

تین دن کے بعد کفار نے کہا، اب جاؤ وقت پورا ہوا، آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے میمونہؓ سے نکاح کیا ہے، چاہتا ہوں کہ ولیمہ کی دعوت کروں اور تم بھی اس میں شریک ہو، انہوں نے جواب دیا، ہمیں تمہاری دعوت کی کچھ خواہش نہیں، اب تم بس جاؤ، آخر آپ تشریف لے گئے۔

۸ ہجری

اس سال آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوگیا۔ اور اسی سال حضرت عمرو بن العاص اور سیف اللہ حضرت خالد ابن ولیدؓ مسلمان ہوئے۔ اور چھوٹے چھوٹے معرکوں کے علاوہ ایک بڑی لڑائی پیش آئی، اور وہ عیسائی بادشاہ روم سے ہوئی۔ یہ لشکر حضرت زید بن حارثہ کی افسری میں روانہ ہوا تھا، زید غلام تھے۔ مگر ان کو آنحضرتؐ نے اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالب پر بھی سردار کیا تھا۔ اور سب نے آنحضرتؐ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا تھا، انہی میں خالد ابن ولیدؓ بھی تھے، رومیوں سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کو شکست ہوئی، اور بڑے بڑے سردار شہید ہوگئے، آنحضرتؐ نے جس دن لڑائی ہوئی، مدینہ میں بیٹھے بیٹھے فرمایا کہ اس وقت فلاں شہید ہوئے، اب فلاں شہید ہوئے، اور اب خدا

کی تلواروں سے ایک تلوار کو افسری ملی، یہ خالد ابن ولیدؓ تھے، اور اسی دن سے ان کا خطاب سیف اللہ ہو گیا۔

جب یہ لشکر مدینہ واپس آیا، تو لوگوں نے اس پر خاک اڑائی، اور کہا۔ لو وہ بھگوڑے آئے، آنحضرت نے منع کیا، اور فرمایا، بھگوڑا نہ کہو، یہ پھر جائینگے اور فتح کر کے آئیں گے، اس جہاد میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی، اور عیسائی دو لاکھ تھے، اور شام کے قریب لڑائی ہوئی تھی۔

فتح مکہ

آخر وہ دن بھی آگیا، جس کی آس لگی ہوئی تھی، جس کی بشارتیں دی جاتی تھیں، یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ مقام کعبہ کو مشرکوں سے پاک کیا، اور مسلمانوں کا دخل وہاں ہوا۔

اس کا قصہ یوں پیش آیا کہ مکہ کے کافروں سے آنحضرتؐ دس سال کی صلح کر چکے تھے، اور شرطیں ایسی نرم تھیں کہ سوائے آنحضرتؐ کے کسی مسلمان نے ان کو پسند نہ کیا تھا، اس پر بھی کفار اپنے عہد پر قائم نہ رہے، اور انہوں نے آنحضرت کے دوست قبیلہ خزاعہ پر چھاپہ مارا، حالانکہ صلح میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ آنحضرتؐ کے ساتھ ان کے دوست قبیلوں کو بھی نہ ستایا جائے گا۔ خزاعہ آپ کے پاس فریاد لائے، اور آپ نے کفار مکہ کی عہد شکنی کا جواب دینا منظور فرما لیا۔

یہ خبر مکہ پہنچی تو ابو سفیان گھبرا کر مدینہ آیا، تاکہ آنحضرت سے معافی ملنگے مدینہ میں پہلے وہ اپنی بیٹی کے گھر گیا، جو آنحضرتؐ کی بیوی تھیں، انہوں نے باپ کی خاطر تو کی، مگر آنحضرتؐ کے بیٹھنے کے بچھونے کو سمیٹ لیا، ابو سفیان نے کہا، بیٹی تو نے یہ بستر اس واسطے لپیٹ دیا کہ بہت ادنیٰ ہے اور تیرے باپ کی شان سے کم ہے، وہ بولیں نہیں، بلکہ اس واسطے کہ تو ناپاک مشرک ہے

اور یہ خدا کے پاک رسولؐ کا بستر ہے، ابوسفیان بہت خفا ہوا، اور کہا ہائے افسوس! میری بیٹی کی عادت بھی تو محمدؐ نے بگاڑ دی۔

پھر ابوسفیان آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت منت سماجت کی، مگر آپ نے اس کا کہنا منظور نہ فرمایا۔ پھر وہ تمام بڑے بڑے اصحاب کے پاس گیا، اور خوشامدیں کیں، مگر کسی نے منہ نہ لگایا، آخر حضرت علیؓ سے کہا۔ انہوں نے فرمایا تو مسجد میں جاکر پکار دے، کہ میں محمدؐ اور مکہ والوں کو اپنے امن میں لیتا ہوں، اس طرح یہ لڑائی ٹل جائیگی، کیونکہ تو سردار قوم ہے، دونوں فریق تیری رعایت کریں گے، اس غریب بڈھے نے یہی کیا، اور خوش خوش مکہ چلا گیا، اور وہاں جاکر شیخی بگھاری کہ میں نے محمدؐ کو اور تم کو اپنی امان میں لے لیا ہے، وہ بولے احمق ہوا ہے علیؓ نے تو تیرا مذاق اڑایا ہے، اور تجھ کو بنایا ہے، تو بن گیا، اور اتنا نہ سمجھا کہ محمدؐ تیری سرداری کیوں مانیں گے،

اس کے بعد آنحضرت پورے جاہ و جلال کے ساتھ فوج لے کر مکہ پر چڑھ گئے مکہ کے قریب حضرت عباسؓ ملے جو ہجرت کر کے چلے تھے،

آنحضرتؐ نے فرمایا، تم آخری مہاجر ہو، اور میں آخری نبی ہوں۔ اور پھر ان کو بھی ساتھ لے لیا۔

راستہ میں حضرت عباسؓ کو ابوسفیان پھر مل گیا، جو آنحضرتؐ کی خبر لینے نکلا تھا، حضرت عباسؓ نے اس کو پناہ دی، اور آنحضرتؐ کے پاس لائے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو آنحضرتؐ سے عرض کیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ ابوسفیان کو قتل کردوں۔ اس نے ساری عمر آپ کو ستایا، بدر، اُحد اور تمام لڑائیاں اس کے باعث ہوئیں، اس کی بیوی نے آپ کے چچا کا کلیجہ چبایا، مگر آنحضرتؐ نہ مانے اور فرمایا۔ رات بھر کی مہلت ہے۔ صبح کو حاضر کیا جائے، صبح حضرت عباسؓ

لے کر آئے تو آپؐ نے فرمایا، ابوسفیان کلمہ پڑھ، اور میری رسالت کا اقرار کر لے۔
وہ بولا مجھے ذرا شک ہے۔ تو حضرت عباسؓ نے پیچھے سے دو ہتڑ ماری اور کہا۔
کمبخت مارا جائے گا، کلمہ کیوں نہیں پڑھ لیتا۔ پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر
چند شعر پڑھے، جن میں کہا، آج وہ شخص ہم کو ملا، جسے ہم نے مکہ سے نکال دیا تھا،
آنحضرتؐ اس سے برہم ہوئے، اور ابوسفیان کے سینہ پر گھونسہ مار کر فرمایا کیا
تو نے مجھے نکال دیا تھا؟

نماز کا وقت آیا تو ابوسفیان کو جماعت میں حضرت عباسؓ کے برابر کھڑا کیا گیا
ابوسفیان نماز میں برابر ادھر ادھر دیکھتا جاتا، اور کہتا، او فوہ محمدؐ کی یہ لوگ کس قدر تابعداری
کرتے ہیں۔ یہ تو بڑا بادشاہ ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے حکم دیا، ابوسفیان تو آگے جا کر مکہ والوں سے کہہ دے کہ جو
میرے گھر میں پناہ لے گا۔ اس کو امان ہے، جو کعبہ کے حرم میں گھس جائے گا اُس
کو امان ہے۔ جو گھر کا دروازہ بند کر لے گا، اس کو امان ہے۔

ابوسفیان مکہ میں آیا اور کفار سے یہ سارا حال بیان کیا۔ اور آپؐ کا بیان بھی
سُنایا، اس پر اس کی بیوی ہندہ نکلی اور ابوسفیان کی داڑھی پکڑ لی، اور کہا لوگو!
اس بڈھے کو مار ڈالو، یہ کیا خرافات بکتا ہے۔ اور محمدؐ سے ڈراتا ہے، ابوسفیان
نے کہا۔ اری تو میری داڑھی تو چھوڑ۔ اگر تو دیکھتی کہ محمدؐ کس شان و
شوکت سے آیا ہے، تو تو بھی میری طرح مسلمان ہو جاتی، اور اگر اب نہ ہوئی
تو ماری جائے گی مسلمان چھوڑیں گے نہیں۔

آنحضرتؐ نے مختلف صحابہؓ کو فوجیں دیکر الگ الگ راستوں سے مکہ میں داخل
ہونے کا حکم دیا، اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد کافر بھاگ گئے، اور مکہ فتح ہو گیا
کعبہ بتوں سے صاف کر دیا گیا۔ اور حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان نہایت بلند آواز

سے کعبہ کے سامنے دی، کفار پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اذان سُن کر دانت پیستے تھے، جب بلالؓ نے کہا، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو بعض کافر بولے خدا کا شکر ہے ہمارے بڑے ہم سے پہلے مر گئے اور انہوں نے یہ آواز نہ سُنی جو تقدیر نے ہم کو سنوائی۔ ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ یہ روز بد دیکھیں۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو بعض اشتہاری کافر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور آپ نے ان کی جان بخشی کر دی۔ حالانکہ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ سب کی جان کو امان ہے، مگر فلاں فلاں کافر اگر کعبہ کے پردہ کی بھی پناہ لیں تو ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی تھا، مگر جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے سب کی خطائیں معاف کر دیں۔

فوجیں کی فوجیں مسلمان

مکہ فتح ہوتے ہی اسلام کا ڈنکا سارے ملک عرب میں بج گیا۔ اور چاروں طرف سے عرب قبیلے فوج در فوج آنے شروع ہوئے، آتے تھے کلمۂ توحید پڑھتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔

اصل میں قریش مکہ تمام ملک عرب کی ناک تھے، جب تک وہ آنحضرتؐ کے مخالف رہے، سارا ملک دشمن رہا، اور جس وقت انہوں نے دین اسلام کے آگے سر جھکا دیا، عرب کا ہر قبیلہ جھک گیا۔

مدینہ والوں کو اندیشہ ہوا کہ آنحضرتؐ اب مکہ ہی میں رہیں گے، مدینہ میں تو دشمنوں کے خوف سے آئے تھے، اب وہ سب کانٹے نکل گئے۔ تو وہاں کیوں جانے لگے اس خیال سے ان کو ازحد بیکلی تھی، کیونکہ بغیر آپ کے دیکھے اور آس پاس رہے خوشی کی زندگی بسر نہ کر سکتے تھے، اور ان کو آپ سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔

ہاشم کی مدینہ میں شادی

مدینہ ازلی خوش نصیب تھا۔ آنحضرت کے پردادا ہاشم کا نکاح بھی مدینہ میں ہوا۔ اور ہاشم کے خسر نے اس شرط پر لڑکی دی کہ جب بچہ ہونے کا وقت آئے تو لڑکی کو مدینہ بھیجدیا جائے۔

چنانچہ جب ہاشم کی بیوی کے ہاں بچہ ہونے کا وقت قریب آیا تو ان کو مدینہ بھیجدیا گیا، وہیں عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ ہاشم بیت المقدس کے راستے میں غزّا مقام پر پچیس سال کی عمر میں رحلت کر گئے اسواسطے عبدالمطلب مدینہ میں اپنے نانا کے گھر رہے۔

عبدالمطّلب

آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب یتیمی میں نانا کے گھر رہتے تھے، ایک دن کسی مکہ والے نے ان کو مدینہ میں دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور جب تیر مارتے ہیں تو کہتے ہیں "میں ہوں ہاشم سردار مکہ کا فرزند" اس مکہ والے نے ان سے پوچھا، لڑکے تیرا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا میرا نام شیبہ ہے۔ اور میں ہاشم بن عبدمناف سید مکہ کا لڑکا ہوں (شیبہ عبدالمطلب کا نام یوں رکھا گیا تھا کہ پیدائش کے وقت ان کے سر میں سفید بال تھے) مکہ والے نے مکہ میں آکر مُطلب ابن عبدمناف یعنی ہاشم کے بھائی سے کہا کہ یہ بڑی غیرت کی بات ہے کہ تجھ جیسے سردار کے بھائی کا لڑکا یتیمی میں مدینہ پڑا ہے اور تو اس کی خبر نہیں لیتا مُطلب یہ سنکر اسی وقت مدینہ چلے گئے، اپنے گھر میں بھی جانے کی خبر نہ کی اور عبدالمطلب کو ساتھ لیکر مکہ آئے، مکہ والوں نے ایک لڑکا ان کے ساتھ دیکھ کر پوچھا، یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا میرا عبد ہے، پھر کہا میرے بھائی ہاشم کا فرزند ہے اس وقت سے ان کا نام شیبہ نہ رہا اور لوگ عبدالمطلب کہنے لگے۔

مدینہ کی پہلی مددگاری

جیسے آنحضرتؐ کی مدد مدینہ والوں نے کی اور ان کے چچا ابولہب نے ان کو ستایا اسی طرح ان کے دادا

آنحضرتؐ نے یہ بات سنی تو انصار کو دلاسا دیا، اور فرمایا کہ میں ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گا، تم اس کا فکر نہ کرو۔ میں تم کو قیامت تک نہ چھوڑوں گا۔

فتح مکہ کے بعد جوق جوق قافلے آکر مسلمان ہوتے تھے، مگر قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے دشمنی سے آنحضرتؐ پر خروج کیا، آپ بارہ ہزار سوار پیادے لیکر ان سے لڑنے تشریف لے گئے۔ بشریت کے سبب آپ کی زبان سے یہ نکلا کہ آج فوج کی ہمارے پاس کمی نہیں ہے، جس سے ہم کو شکست کا اندیشہ ہو۔

خدا تعالیٰ کو یہ بات بری لگی، اور لڑائی میں مسلمان باوجود کافروں سے زیادہ ہونے کے بھاگ نکلے، رسولِ خداؐ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کھڑے رہ گئے، باقی سب بھاگ گئے۔

اس وقت حضرت عباسؓ نے جو بہت بلند آواز تھے، اور آنحضرتؐ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے کھڑے تھے، پکارا، اے مسلمانو! رسول اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ آنحضرتؐ نے خود بھی آواز دی، میں رسول اللہؐ ہوں، میں محمدؐ ابن عبداللہ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ۔

یہ آوازیں سن کر مسلمان پھر پلٹے، اور لبیک لبیک یا رسول اللہؐ کہکر آپ کے گرد جمع ہوکر کفار ہوازن پر حملہ کیا، اور فتح پائی، کافروں کا بہت سامال اسباب ہاتھ آیا، مگر کافر طائف میں جاکر قلعہ بند ہو گئے۔ مکہ میں اس کی خبر پہنچی تو ابوسفیان بہت خوش ہوا، اور بولا، کہ ابھی کیا ہے، ابھی تو مسلمان سمندر تک بھاگتے ہی چلے جائیں گے، صفوان بن امیہ نے کہا، جو مسلمان نہ ہوا تھا کہ اے ابوسفیان ایسی بات نہ کہہ، تو تو مسلمان ہو چکا ہے، اور میں اگرچہ مسلمان نہیں ہوں، مگر محمدؐ میرے تیرے کنبہ کے ہیں، وہ اگر ہم پر حاکم ہو گئے تو عار نہیں، میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ ہوازن کا سردار میرا آقا بنے۔

آنحضرتؐ نے طائف کا بھی محاصرہ کیا، مگر کچھ دن کے بعد چھوڑ کر چلے آئے۔
اور قبیلۂ ہوازن خود ہی مدینہ آکر مسلمان ہو گیا۔

سنہ ۹، اور ۱۰، اور ۱۱

فتح مکہ کے بعد آپ ایک بڑے جہاد میں اور تشریف لے گئے تھے اور نہ پھر
تین سال نو اور دس اور گیارہ میں آپ انتظامات ملک اور تدبیر تبلیغ اسلام اور تعلیم دین میں مصروف رہے۔

اس جہاد کا نام تبوک ہے۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے آپ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، اس کی روک تھام کے لئے آپ لشکر لے کر تبوک تک گئے جو شام کے راستہ میں ہے، مگر رومی فوج سامنے نہ آئی، اور آپ واپس تشریف لے آئے اور ۱۱ھ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں تو آپ کی وفات ہو گئی۔

صورت و سیرت

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے، نہ بہت ٹھگنے، درمیانی قد اور گندمی رنگ تھا، اور چہرہ پر سرخی جھلکتی رہتی تھی، رخسارے صاف اور سڈول تھے، نہ کلّے پھولے ہوئے تھے، نہ ہڈیوں میں دھسے ہوئے تھے، آنکھیں سیاہ اور ہر وقت ان میں لال ڈورے نظر آتے تھے، جیسے کوئی نشہ میں ہے، چہرہ کی ادا شرمیلی اور خواہ مخواہ دل پر اثر کرنے والی تھی، باوجود اس کے ہیبت اور رعب بھی آپ کے بشرے کا دیکھنے والے پر بہت پڑتا تھا، ڈاڑھی خوب بھری اور گنجان تھی، سر کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بہت گھونگروالے تھے، کبھی آپ کے بال کندھے سے نیچے لٹکتے ہوتے اور کبھی کندھے کے اوپر، کبھی کان کی لَو تک پٹھے ہوتے

آپ لبیں کترواتے تھے، کبھی کبھی مونچھیں بالکل ترشوائی ہیں، آپ کے سینہ سے لے کر ناف تک ایک لمبی لکیر گھنے بالوں کی تھی، اور پشت پر دونوں کندھوں کے بیچ میں گوشت کچھ اُبھرا ہوا تھا، اور اس پر کچھ بال تھے، یہی مُہر نبوت کہلاتی ہے گردن آپ کی صراحی دار اور نہایت خوبصورت تھی، ہاتھوں اور پیروں کے پنجوں پر گوشت خوب بھرا ہوا تھا،

ڈاڑھی اور سر کے بال وفات تک سفید نہیں ہوئے، چند بالوں میں سفیدی آئی تھی، ان کو کبھی کبھی مہندی کا خضاب لگا لیتے تھے، مگر معتبر روایات میں ہے کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا۔ سر میں تیل زیادہ ڈالتے پیشانی خوب چوڑی اور بلند تھی، ناک کے نتھنے نرم اور باریک تھے، مگر ناک بلند تھی آپ سرمہ بہت لگاتے تھے، اگر نہ بھی لگاتے تب بھی آپ کی آنکھیں سرمگیں معلوم ہوتی تھیں، کیونکہ پپوٹے آپ کے قدرتاً سرمئی تھے، پاؤں کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی انگوٹھے سے ذرا بڑی تھی، بدن نہ موٹا تھا نہ دُبلا، اوپر کا حصہ خوب مضبوط تھا۔ اور سینہ چوڑا اور بھرا ہوا تھا۔

جب آپ راستہ چلتے تھے، تو پاؤں خوب جما کر رکھتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کسی اونچی جگہ سے نیچے اُتر رہے ہیں، اور پاؤں جما جما کر چلنا پڑتا ہے۔

کسی کو دیکھتے تو بالکل سامنے ہو کر، مخاطب ہوتے، کن انکھیوں یا ترچھی نظروں سے دیکھنے کو بُرا سمجھتے تھے،

آپ کے تلوؤں میں گوشت کم تھا، بہتے پانی میں پاؤں رکھتے تو پانی رکتا نہ تھا چلتے وقت نظریں نیچی رکھتے تھے، مسلمان ساتھ ہوتے تو سرداروں کی طرح ان سے آگے نہ چلتے تھے، کبھی ملے جُلے، کبھی بالکل پیچھے چلتے، مسلمانوں کو آگے رکھتے اور خود پیچھے رہتے

آپ لڑائی میں اور راستہ چلنے میں مڑکر نہ دیکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر آپ کی چادر کسی درخت کے کانٹوں میں اُلجھ جاتی تو آپ اُس کو بھی مڑکر نہ نکالتے چادر ہی چھوڑ دیتے، بعد میں صحابہ اس کو کانٹوں سے نکال کر لاتے۔

خوب تیز چلتے تھے۔ آپ کے ساتھی ہانپ ہانپ جاتے، مگر ساتھ نہ چل سکتے آپ کو پسینہ بہت آتا تھا، جاڑے کے موسم میں بھی اکثر پیشانی پر پسینہ رہتا تھا،

آپ کی آواز نہایت بلند اور گرجدار تھی، جب خطبہ پڑھتے تو مسجد گونج جاتی اور یہ معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر کو حکم سنا رہے ہیں، آواز میں ایک ہیبت اس قسم کی تھی، کہ جو سنتا تھا لرز جاتا تھا، اور یہی حال آنکھوں کا تھا، کہ جس کو نظر بھر کر دیکھ لیتے، وہ گم صُم ہو جاتا، ایک لڑائی میں کسی درخت کے نیچے آپ سوتے تھے، تلوار پاس رکھی تھی، ایک دشمن نے آکر تلوار اٹھالی۔ اور جگا کر کہا، بتاؤ اب کون تم کو میرے ہاتھ سے چھڑا سکتا ہے؟ آپ نے ایک تیز نگاہ سے اس کو دیکھا، اور گرج کر فرمایا۔ خدا بچا سکتا ہے، اور تو میرا کچھ بھی نہیں کر سکتا، دشمن تھرا گیا اور تلوار ہاتھ سے چھُٹ پڑی، ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت پیش آئے ہیں۔

آپ کو غصہ کم آتا تھا، لیکن جب آجاتا تو کسی کی مجال نہ ہوتی تھی، جو حالت غضب میں آپ سے بات کرے، سوائے حضرت علیؓ کے، کہ وہ اس قدر پیارے تھے کہ غصہ کے وقت بھی بات کر سکتے تھے،

آپ اکثر مسکرا کر بات کرتے تھے، کبھی قہقہہ مار کر نہ ہنستے تھے، جب ہنستے تو فقط دانت اور کچلیاں کھل کر چمکنے لگتیں۔

آنحضرتؐ کشتی بھی خوب لڑتے تھے، ایک مشہور کافر پہلوان رکانہ نام نے کہا جس کی دھاک دور دور تھی، اور کوئی اس سے کشتی نہ لڑ سکتا تھا، کہ اگر محمدؐ مجھ کو کشتی میں پچھاڑ لیں، تو میں مسلمان ہو جاؤں، آپ نے فرمایا اچھی بات ہے۔ کشتی ہوئی اور آپ نے

اس کو چت کر دیا، وہ پھر لپٹا، آپ نے پھر اٹھا کر دے مارا، تیسری دفعہ پھر آیا اور اب کے بھی چت ہوا، تو بولا واقعی آپ کی شان عجیب ہے، مگر میں دین تو نہ بدلوں گا۔ اسی طرح ابوالاسود نامی پہلوان آپ سے کشتی لڑا اور پچھڑا۔

گھوڑ دوڑ کا آپ کو شوق تھا، خود گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر صحابہ کے ساتھ دوڑتے، اور اکثر آپ ہی کا اونٹ آگے رہتا، مگر کبھی آپ ہار بھی جاتے اور لوگ آپ سے آگے نکلجاتے، گھوڑ دوڑ میں شرط یہی ہوتی تھی کہ دیکھیں کون آگے نکلے۔ جو نکل جاتا اس کی واہ واہ ہوتی، مگر بازی لگا کر بطور جوئے کے کبھی آپ نے گھوڑ دوڑ نہیں کی، اور جوئے کی ہر قسم کو نہایت بُرا اور سخت گناہ فرمایا۔

آپ باتیں لگاتار نہ کرتے تھے، بلکہ اس طرح آہستہ آہستہ رُک رُک کر کہ سُننے والے ان کو یاد کر لیتے تھے، آپ زیادہ نہ بولتے تھے۔ ضرورت کی بات بہت مختصر الفاظ میں کہتے تھے، سُننے والوں پر ایسی ہیبت ہوتی تھی کہ آنکھیں نیچے کئے سب سنتے رہتے تھے، یہ مجال نہ تھی کہ دوبدو کوئی گفتگو کرتا۔

لباس

دشمن کے ایلچی آپ کے پاس آتے، تو آپ ذرا اچھا لباس پہن کر ان سے ملتے، اور فرماتے، یہ لباس جنگی اثر ڈالنے کو پہنا ہے،

آپ کا لباس موسم کے حال پر ہوتا تھا، ایسا کہ بدن کی حفاظت ہو سکے۔ تکلفات کا آپ کو خیال نہ تھا، نہ بہت چست کپڑا پہنتے تھے، جس سے بانکے معلوم ہوں، نہ اتنا ڈھیلا، جس سے جنگی چستی میں فرق آئے۔ آپ کو قمیص بہت پسند تھا آپ کے پاس پاجامہ بھی تھا۔ مگر زیادہ تہمد باندھتے تھے پاجامے کو آپ نے پسند کیا ہے۔ فرماتے ہیں اس میں پردہ زیادہ ہے۔

آپ نے کبھی دو جوڑوں سے زیادہ اپنے پاس فالتو کپڑے نہیں رکھے

یمن کی چادر آپ کو بہت پسند تھی، اکثر تہمد کے اوپر اسی کو اوڑھا کرتے تھے، ایسا حُلّہ بھی آپ نے پہنا ہے، جس میں لال دھاریاں تھیں، حُلّہ تہمد اور اوڑھنے کی چادر کو کہتے ہیں۔ آپ کے لباس کی قیمت ڈھائی روپے سے زیادہ نہ ہوتی تھی، بالوں کی بنی ہوئی موٹی چادر بھی آپ نے اوڑھی ہے، اور رومی جُبّہ بھی پہنا ہے قبا بھی استعمال فرمائی ہے، آپ کے پاس ایک جُبّہ ایسا بھی تھا، جس کی کفیں اور جو بغلے ریشمی تھے، آپ کو سیاہ چادر اچھی معلوم ہوتی تھی، آپ عموماً سوتی کپڑے پہنتے تھے، مگر کبھی کبھی اونی اور کتاں کے کپڑے بھی پہنے ہیں، ایک دفعہ عید قریب تھی، بازار میں قیمتی کپڑے بک رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ حضور بھی عید کے لئے کوئی عمدہ حُلّہ خرید لیں، آپ نے فرمایا، جس کو آخرت کی طلب ہو، وہ اچھے کپڑوں کی پرواہ نہیں کرتا، آپ سفید لمبی ٹوپی پہنا کرتے تھے، مگر اکثر عمامہ باندھتے، کبھی ٹوپی عمامہ کے اندر ہوتی، کبھی نہ ہوتی، لڑائی میں آپ ایک خاص قسم کی ٹوپی اوڑھتے تھے، جس کے کان ہوتے تھے، اور غالباً یہ دھوپ سے بچنے کے لئے آپ استعمال فرماتے تھے،

عمامہ اور ٹوپی نہ ہوتی، تو آپ ایک دھجی سر پر باندھ لیتے۔ وہ بھی نہ ہوتی تو ننگے سر بازار میں کام کرنے چلے جاتے تھے، آپ جس کو سردار بناتے اس کے سر پر عمامہ باندھتے تھے، فتح مکہ کے دن آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، عمامہ آپ کا بہت بڑا اور بھاری نہ ہوتا تھا۔ اس کا شملہ بھی چھوٹا رکھتے تھے۔ وضو کے بعد منہ ایک رومال سے پوچھتے تھے، مگر پاؤں پوچھنے کا رومال الگ تھا، آپ کا بستر ٹاٹ کا تھا، کبھی کبھی چمڑے کے گبھے پر سوتے، جس کے اندر کھجور کا گودا بھرا ہوا تھا ایک دفعہ کسی انصار کی بیوی نے آپ کے ٹاٹ کا بستر دیکھا، تو اپنے گھر سے نرم گدیلا بھجوا دیا۔ آپ نے واپس کر دیا اور فرمایا، بندہ اس ٹاٹ میں خوش ہے۔

بوریہ پر بھی آرام فرماتے تھے، جس کے نشان آپ کی پشت پر پڑجاتے تھے، صحابہ روتے اور کہتے ہم آپ کے لئے اچھا اور نرم بستر بنادیں، تو آپ فرماتے مجھے غریبوں کی طرح زندگی بسر کرنے دو۔ آپ کا تکیہ بھی چمڑے کا تھا، جس کے اندر کھجور کا گودا تھا، وہی ساری عمر آپ کے سرہانے رہا۔

آپ کی جوتی تسمہ دار تھی، جیسے آج کل آفریدی لوگ پہنتے ہیں کہ نیچے فقط تلا اور اوپر انگوٹھے، اور انگلیوں کی روک کے لئے تسمہ لگا ہوا، آپ نے بوٹ بھی پہنا ہے۔ جو نجاشی حبش کے بادشاہ نے آپ کو بھیجا تھا۔ اس پر وضو کے وقت مسح کر لیتے تھے۔ جب آپ کی وفات ہوئی، تو حضرت عائشہؓ نے پیوند لگی ایک چادر اور ایک تہمد نکال کر دکھا دیا کہ اس میں ہمارے رسولؐ نے جان دی، میں کہتی آپ پیوند لگی چادر کیوں اوڑھتے ہیں؟ تو فرماتے میں ایک بندہ ہوں، اور بندے اچھے کپڑے کی آرزو میں وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔

کھانا

مہینوں آپ کو غلہ کی قسم سے کھانے کو میسر نہ آتا تھا، اور آپ کھجوروں پر گذران کرتے تھے، اونٹنی کا دودھ پی لیتے۔ کچھ بھی نہ ملتا، تو فاقہ کرتے، کئی فاقے ہوجاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ تاکہ بھوک کی سہار ہو۔

آپ نے خود فرمایا ہے کہ مجھ پر ایک ایک مہینہ گذر گیا ہے، کہ مجھ کو اور بلالؓ کو ایک نوالہ سے زیادہ کھانے کو میسر نہ آتا تھا، مہمان کوئی آجاتا تو اس کے ساتھ آپ گوشت روٹی کھا لیتے تھے، ورنہ یہ حال تھا کہ صبح کو کھایا تو شام کو نہ ملا شام کو کھایا تو صبح کو نہ ملا۔ وفات کے وقت تک جو کی روٹی کھائی اور یہی آپ کو بہت پسند تھی، مگر یہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ ملی۔

اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ مفلس تھے، بلکہ آخر زمانہ میں تو آپ کے پاس بشمار

دولت تھی، مگر آپ اُمت کے غریب آدمیوں میں بانٹ دیتے تھے، کیونکہ غربا
کثرت سے تھے۔ اور آپ گوارا نہ کرتے تھے کہ اُمت کے لوگ فاقہ کریں اور میں
پیٹ بھر کر کھاؤں۔

آپ چمڑے کے گول دستر خوان پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ بھنا ہوا گوشت
پسندیدگی سے نوش کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ صحابہ کو لے کر آگ کے چاروں
طرف بیٹھ گئے، اور اونٹ کا گوشت چھریوں سے کاٹتے گئے، اور بھون بھون
کر کھاتے گئے۔

شوربہ میں چوری ہوئی روٹی آپ کو بہت بھاتی تھی، سرکہ بھی آپ کو بہت
مرغوب تھا، آپ نے شراب اس وقت بھی کبھی نہیں پی، جب وہ حلال تھی، آپ
نے چھنا ہوا آٹا کبھی نہیں کھایا جس دن آپ کی وفات ہوئی ہے۔ تو حضرت
عائشہؓ نے فرمایا، دیکھو تمہارے رسولؐ نے یہ تھوڑے سے جو اور جو کا آٹا چھوڑا
ہے، پیسہ کوڑی گھر میں کچھ نہیں۔

روزمرّہ کی عادت

حضرت رسول مقبولؐ کا قاعدہ تھا، کہ بیمار
کی عیادت کو خود تشریف لیجاتے، غلام کی دعوت
منظور کر لیتے، پاپوش مبارک کی خود مرمت کر لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے،
اپنے گھروں کے کام میں شریک ہو کر خود کام کرنے لگتے، اپنا کام اپنے ہاتھ
سے کرتے، صحابہ کو تکلیف نہ دیتے، بلکہ جو کام خود کر سکتے تھے اس کو دوسرے
سے کرانا بُرا تصور فرماتے تھے، جب آپ کا گذر لڑکوں پر ہوتا، ان کو سلام
کرتے۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا، آپ
نے فرمایا۔ کیوں ڈرتا ہے۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو قریش کی ایک
عورت کا لڑکا ہوں۔ جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ آپ کا دستور

تھا کہ آپ اپنے اصحاب میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان نہ سکتا۔ آخر صحابہ نے بار بار عرض کر کے مٹی کا ایک چبوترہ بنادیا، جس پر آپ تشریف رکھنے لگے۔ اور لوگوں کو اس امتیاز کے سبب شناخت کی وقت جاتی رہی۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی نے آپ سے عرض کیا، کہ میں آپ پر قربان جاؤں تکیہ لگا کر کھانا نوش فرمایا کیجئے، تاکہ تکلیف نہ ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں اسی طرح کھاؤں گا جس طرح بندہ کھاتا ہے، اور ویسے ہی بیٹھوں گا۔ جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

آپ کے اصحاب میں سے یا اور کوئی آدمی پکارتا۔ تو آپ جواب میں لبیک پکارتے جس قسم کی بات کا آپ کے اصحاب میں پہلے سے ذکر ہوتا۔ تو آپ بھی اسی کے متعلق باتیں کرتے۔ اگر وہ اشعار خوانی کرتے ہوتے، تو آپ بھی شعر پڑھتے۔ اگر اصحاب ہنستے تو آپ بھی تبسم فرماتے۔ اور سوائے حرام و ناجائز امور کے اور کسی بات میں اصحاب کو زجر و توبیخ نہ فرماتے۔ فقیروں میں بیٹھتے۔ مساکین کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ جو لوگ اخلاق میں افضل ہوتے ان کا احترام فرماتے تھے۔ جو آپ کے سامنے عذر کرتا اس کے عذر کو قبول کر لیتے، خوش طبعی فرماتے، مگر جھوٹ کو نہ آنے دیتے، مباح کھیل کو دیکھتے تو منع نہ فرماتے۔ آپ بچوں کے ساتھ دوڑتے کہ دیکھیں کون آگے نکلے، لوگ آپ کے سامنے بلند آواز سے بولتے تھے، جس سے آپ کو اذیت ہوتی تھی۔ مگر آپ صبر فرماتے۔ کسی کو مفلسی و بیماری کے سبب حقیر نہ جانتے تھے۔ کسی بادشاہ سے اس کی دنیاوی شوکت کے سبب خوف نہ کرتے تھے۔

آپ نے کبھی کسی عورت یا نوکر سے بدمزاجی یا سخت کلامی نہیں کی۔ اگر آپ سے کہا جاتا، کہ کسی کے لئے بددعا کیجئے۔ تو آپ اس کو دعا دیتے، سوائے جہاد کے آپ نے کسی پر وار نہیں کیا۔ اگر آپ کے واسطے بچھونا بچھا دیا جاتا۔ تو آپ اس پر

لیٹ رہتے۔ اگر بچھونا نہ بچھایا جاتا تو آپ زمین پر لیٹ جاتے، جب کوئی سے ملتا۔ سلام میں سبقت فرماتے۔ اور جب تک وہ چلا نہ جاتا، آپ کھڑے رہتے۔ اگر کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ تو آپ چھڑانے کی کوشش نہ کرتے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔ آپ کے پاس کوئی آتا، اور نماز میں مصروف ہوتے تو آپ نماز مختصر کر دیتے اور پوچھتے کہ تم کو مجھ سے کچھ کام ہو تو کہو۔ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔ کسی کو اٹھانے کی تکلیف نہ دیتے مجمع میں پھیل کر نہ بیٹھتے تھے۔ جو لوگ آپ کے پاس آتے تھے ان کی خاطر اور تعظیم فرماتے تھے۔ قرابت داروں کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے تھے۔ جس تکیہ کے سہارے آپ تشریف رکھتے تھے، آنے والوں کو وہ تکیہ عنایت فرماتے۔ کہ اس کے سہارے آرام سے بیٹھو۔ ہر شخص سے ایسا برتاؤ کرتے، کہ وہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ اور کسی پر مہربانی نہیں فرماتے۔

اُن پر درود و سلام، کیا ہی اچھی عادت اور خصلت تھی ہم
مسلمانوں کو خدا توفیق دے، کہ اپنے رسولؐ کی ان سب
عادتوں کی پیروی کریں۔ اسی واسطے میں نے
صحیح کتابوں میں سے ان کو چھانٹ کر یہاں
لکھا۔ اور انہی کے ذکر پر اس کتاب

میلاد نامہ و

رسولؐ بیتی

کو ختم
کیا

حسن نظامی

عبدالمطلب کو بھی ان کے چچا نوفل نے ستایا تھا، اور مدینہ والوں نے مدد کی تھی۔
اس کا قصہ یوں ہے کہ جب مُطّلب عبدالمطلب کو مدینہ لائے تو اُن کے باپ ہاشم کی سب جائداد ان کے سپرد کردی۔ مگر جب مُطّلب کا انتقال ہوگیا تو یتیم بھتیجے کی جائداد چچا نوفل نے غصب کرلی، عبدالمطلب نے مدینہ میں اپنے ماموں کو لکھا، وہ اسی سوار لیکر چڑھ دوڑے اور تلوار کے زور سے بھانجے کا حق دلوا دیا۔

عبدالمطلب مقبول بارگاہ الٰہی

زمزم کا کنواں مدت سے بند پڑا تھا۔ خدا تعالیٰ نے خواب میں بشارت دی کہ تم فلاں جگہ کھودو، انہوں نے کھودا تو زمزم نکل آیا، اور اس میں سے سونے کی کچھ چیزیں بھی نکلیں، قریش نے دیکھا تو کہا، ان میں ہمارا بھی حصہ ہے، عبدالمطلب نے کہا میں اس میں کچھ نہیں دونگا۔ اس بات پر تکرار بڑھی اور قرعے ڈالے گئے۔ قرعہ میں عبدالمطلب کا اور کعبہ کا حق نکلا۔ قریش کا نام خالی رہا۔

عبدالمطلب کی کرامت

اسی طرح ایک دفعہ اور عبدالمطلب کا اور قریش کا جھگڑا ہوا، اور فیصلہ کے لیے یہ سب باہر کے ایک کاہن کے پاس چلے، راستہ میں پانی ہو چکا اور یہ سب پیاس سے مرنے کے قریب ہوگئے اور تجویز ہوئی کہ قبریں کھود لو تاکہ مرکر بے گور نہ رہیں۔ قبروں کی تیاری میں تھے کہ عبدالمطلب کو پانی کا ایک چشمہ نظر آیا اور انہوں نے سب کو لیجاکر پانی پلایا۔ اور قریش نے کہا ہم اس جنگل میں بارہا آئے ہیں یہ چشمہ کبھی نہیں دیکھا۔ یہ تیری کرامت ہے۔ اب ہم کاہن کے پاس نہیں چلتے اور ویسے ہی تیری بڑائی مانے لیتے ہیں۔

عبدالمطلب کی چلہ نشینی

عبدالمطلب بڑے عابد اور نیک آدمی تھے۔ وہ غار حرا جہاں آنحضرتؐ کو پیغمبری ملی تھی، اس میں سب سے پہلے عبدالمطلب چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ کھانا ساتھ لیجاتے، اور

ابرہہ نے کہا، تیرا خدا تو کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ دیکھ لیجیو میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے عبدالمطلب کے اونٹ دلوا دیئے۔ عبدالمطلب اونٹ لیکر مکہ میں آئے اور کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:-

اے خدا سب لوگ اپنے گھر کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ اب تو اپنے گھر کو آپ ہی بچاے۔ ہم میں اس دشمن سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ یہ تیرے پاک پیغمبروں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا بنایا ہوا گھر ہے، اب تو جانے اور تیرا کام۔ ہم تو جاتے ہیں، کیا تو اپنے گھر کو نہ بچائے گا؟

یہ کہہ کر اور اپنی قوم کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور تماشہ دیکھنے لگے۔

دوسرے دن ابرہہ فوج لے کر آگے بڑھا، کہتے ہیں، اس کے ساتھ فقط ایک ہاتھی محمود نامی تھا، بعض کا بیان ہے، چالیس ہاتھی تھے، غرض جب وہ ہاتھی مکہ کے سامنے آیا تو بیٹھ گیا، ہر چند اس کو مارا مگر نہ اٹھا، اتنے میں ابابیل جانور ہزاروں کی تعداد میں آئے، جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکر تھے، وہ کنکر انہوں نے ابرہہ کے لشکر پر مارنے شروع کئے، جس کے کنکر لگتا تھا، مرجاتا تھا، ایک آدمی بھی ابرہہ کی فوج کا نہ بچا، ابرہہ سمیت سب مر گئے۔ سورۂ الم ترکیف میں اسی واقعہ کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ لشکر میں چیچک کا مرض پھیل گیا تھا، اور وہ سب مر گئے یہ ان لوگوں کا کہنا ہے جو جانوروں کی لڑائی کو خلاف عقل سمجھتے ہیں، جب ابرہہ کا یہ انجام ہوا تو عبدالمطلب پہاڑ سے نیچے اترے، اور خدا کا شکرانہ بھیجا۔

عبدالمطلب کی اس کرامت کا چرچہ دور دور ہو گیا، اور عرب قومیں ان کو خدا رسیدہ ماننے لگیں۔

لنگری شاہ اور سبیل شاہ

عبدالمطلب اور ان کے خاندان کا عہدہ کعبہ کی تولیت تھی، اور یہی حاجیوں کو کھانا

کھلایا کرتے تھے اور پانی پلاتے تھے۔ گویا جس شخص کے پوتے نے تمام دنیا کے بھوکوں اور پیاسوں کو اصلی غذا کھانے کو دی، اور اصلی پانی سے پیاس بجھائی، اس کا دادا بھی لنگری شاہ اور سبیل شاہ تھا۔ عبد المطلب نے ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ

اب اپنے آقا اور سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا حال سنو یہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے، اور عبدالمطلب کو ان سے بہت محبت تھی، عبدالمطلب کو خدا نے دس بیٹے دیئے تھے۔ اور ہر ایک ان میں آفتاب ماہتاب تھا۔ مگر حضرت عبداللہ کی شان ہی کچھ اور تھی۔

خدا کی چھری کا نذرانہ

عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ جب خدا ان کو دس بیٹے دیگا اور وہ جوان ہوجائینگے اور عبدالمطلب کو زمزم کے کھودنے میں کامیابی ہوگی تو وہ ایک بیٹا خدا کے نام پر قربان کرینگے۔ حضرت ابراہیم کی سنت کے موافق، جنہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنا چاہا تھا، عبدالمطلب نے بھی یہ منت مانی تھی۔

جب خدا نے ان کو دس بیٹے دیئے اور وہ سب جوان ہوگئے تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو جمع کرکے اپنی منت کا ذکر کیا۔ ان سب نے کہا ہمیں جان دینے میں کچھ عذر نہیں ہے۔ ہم میں سے جس کو مرضی ہو ذبح کر دیجئے۔

اس پر عبدالمطلب نے کعبہ کے سامنے آکر قرعہ ڈالا۔ اس میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خدا کی چھری کے سامنے اس نذرانہ کو پیش کرنا چاہا۔ حضرت عبداللہ اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح خوشی خوشی باپ کے ساتھ قتل ہونے کو آمادہ ہوگئے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو پچھاڑا اور

چھری اُن کے گلے پر رکھی۔

دیکھنا کس کو ذبح کرتے تھے۔ ذرا سوچنا کس گلے پر چھری چلائی جاتی تھی۔ یہ وہ ہے۔ جس کی پیشانی پر نور محمدی چمک رہا ہے، یہ وہ ہے۔ جس کی پشت سے ساری دنیا کا نجات دلانے والا پیدا ہو گا۔ یہ اس کی قربانی کا وقت تھا، جس کی اولاد کربلا میں خدا کے نام پر قربان ہو گئی۔

قریش نے جو عبدالمطلب کو دیکھا، تو وہ سب کے سب دوڑے اور ان کو بیٹے کے ذبح کرنے سے منع کیا۔ اور کہا۔ تم ہمارے سردار ہو، تم ایسا کرو گے تو ہم سب میں یہ رسم ہو جائے گی۔ عبدالمطلب نے کہا میں تو منت مان چکا ہوں۔ اب باز نہیں آسکتا، لوگوں نے کہا ہم سب اپنے مال ان کے فدیہ میں دینے کو تیار ہیں عبدالمطلب نے اس کو بھی نہ مانا تو انہوں نے کہا۔ اچھا فلاں کاہنہ کے پاس چلو، جو وہ حکم دے ویسا کرو۔

عبدالمطلب نے اس کو مان لیا اور کاہنہ کے پاس سب گئے۔ کاہنہ نے حضرت عبداللہ کی صورت دیکھی اور نور محمدی کا جلوہ اس کو نظر آیا تو بے اختیار ہو کر بولی۔ نہیں۔ نہیں۔ اس کو ذبح نہ کرو۔ اور قرعہ ڈال کر اونٹ اس کے بدلے قربان کر دو۔ تب عبدالمطلب نے دو سو اونٹ حضرت عبداللہ کے عوض قربان کر دیئے۔ اسی واقعہ کی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ انا ابن الذبیحین۔ میں دو قربان ہونے والوں کا فرزند ہوں یعنی ایک حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ۔ دوسرے حضرت عبداللہ

آنکھ والوں کی دید

عبدالمطلب اونٹ قربان کر کے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑے گھر کو آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مشہور دولتمند اور قیافہ شناس عورت نے حضرت عبداللہ کو دیکھا اور ان سے کہا، کہ اگر تو آج کی رات میرے پاس رہے تو میں تجھ کو اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تیرے باپ نے تجھ پر قربان کئے ہیں۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ میں اپنے باپ سے الگ ہو کر رات کو یہاں نہیں رہ سکتا یہ کہا اور چلے آئے۔ اسی روز حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ سے نکاح ہو گیا۔

تیسرے دن حضرت عبداللہ اس عورت کی طرف سے پھر گذرے تو اس عورت نے ان کو دیکھ کر کہا، تو نے یہاں سے جا کر کیا کام کیا۔ یہ بولے میرا نکاح ہو گیا، اب اگر تو کہے تو میں رات کو یہاں ٹھیر سکتا ہوں۔ اس عورت نے جواب دیا۔

اے شخص میں بازاری عورت نہیں ہوں۔ اس دن تیری پیشانی پر ایک نور میں نے دیکھا تھا، مجھے آرزو ہوئی کہ یہ نور مجھ کو ملے، مگر آج وہ نہیں ہے معلوم ہوا جس کا وہ حصہ تھا اس کو مل گیا۔ اور خوش نصیب ہے وہ عورت جس کو وہ نعمت حاصل ہوئی۔

اے عبداللہ! نہ تجھ کو خبر ہے نہ اس عورت کو جس سے تیرا نکاح ہوا کہ وہ نور کیا چیز تھا۔ مگر میں جانتی ہوں اس کی قدر۔

یہ کہہ کر اس عورت نے نہایت حسرت سے اپنی بدقسمتی پر اشعار پڑھے۔ طبری اور ابن اثیر تاریخوں میں اس عورت کے علاوہ اور عورتوں کے بھی ایسے قصے مذکور ہیں جنہوں نے نور محمدیؐ کے سبب حضرت عبداللہ سے شادی کرنی چاہی تھی۔

باپ بھی مدینہ میں

جس مدینہ میں بیٹے کی تاجداری مقرر تھی، اسی مدینہ میں باپ نے بھی دائمی رہنا اختیار کیا۔ یعنی حضرت عبداللہ سفر شام سے راستہ میں مدینہ ٹھیرے تھے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور مدینہ میں ہی دفن ہوئے۔

جب حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا، آنحضرتؐ پیدا نہ ہوئے تھے، اور آپکی والدہ حضرت آمنہ حاملہ تھیں۔

حضرت آمنہ

وہب ابن عبدمناف بن زہرہ کی لڑکی تھیں، بڑی نیک پارسا اور خاموش رہنے والی بی بی تھیں عورتوں

کی طرح ان میں لڑنے جھگڑنے کی عادت اور کپڑے زیور کی حرص نہ تھی۔ انہوں نے شوہر کی کچھ بہار نہ دیکھی، شادی کو کچھ ہی دن گذرے جو اُن کے خسر ان کے خاوند حضرت عبداللہ کو اپنے ساتھ شام کے سفر میں لے گئے۔ اور وہاں راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت آمنہ اس خبر سے ازحد مغموم ہوئیں، مگر اُف نہ کی اور خدا کی مرضی پر رضا کر رہیں، یہاں تک کہ خدا نے ان کو ایک بیٹا دیا، جو تمام جہان کا سردار بنا۔

لکھا ہے، جب آنحضرت چھ برس کے تھے تو بی بی آمنہ ان کو لیکر مدینہ گئی تھیں تاکہ اپنے خاوند کی قبر کی زیارت کریں، اور بچہ کو باپ کی تربت دکھائیں، مدینہ جاکر وہ اپنے خاوند کے ماموں کے ہاں ٹھیریں، اور حضرت عبداللہ کے مزار پر گئیں۔ اور رسولِ خدا کو بھی لے گئیں۔

اللہ اللہ کیا زمانہ ہوگا۔ مدینہ کا نامور روشن ستارہ یتیمی کی حالت میں اپنی بیکس بیوہ والدہ کی انگلی پکڑے مسافر باپ کی قبر پر کھڑا ہوگا۔ اس کا ننھا سا دل دُکھتا ہوگا اور کہتا ہوگا، میں یتیم ہوں، اور میرا باپ اس قبر میں سوتا ہے، شاید اسے خبر نہ ہو کہ ایک دن اسی مدینہ میں میری دھوم مچنے والی ہے۔ اور ساری دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہ مجھ یتیم کے قدموں میں سر جھکا کر آنے والے ہیں۔

ذرا دیکھنا اس انجان یتیم کو، کیا چپ چاپ کھڑے ہیں، گویا انہیں کسی بات کی خبر ہی نہیں، مگر قدرت نے ان کو اوّل دن سے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ مجبوری یہ تھی کہ دنیا کا قاعدہ اور دستور ٹوٹتا تھا، جہاں کے لڑکے سب انجان اور نادان ہوتے ہیں، اسواسطے یہ بھی بھولے بھالے بنے کھڑے ہونگے اور دل میں ہنستے ہونگے کہ غم کیسا، بیکسی کیسی، میرا وارث تو خدا ہے، جس کے نام کی میں عنقریب منادی کروں گا، اور سب لاچاروں کا چارہ کار بن جاؤنگا، سب بے سہاروں کا سہارا ہو جاوں گا۔

بی بی آمنہ آنکھوں میں آنسو بھرے خاوند کی قبر کو دیکھتی رہیں اور دل میں خبر

نہیں کیا کیا خیال دوڑاتی رہیں اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنے لاڈلے کو لے کر گھر میں چلی آئیں۔ مدینہ میں ان کا قیام بہت تھوڑا ہوا، چند ہی روز کے بعد ساتھ والی عورتوں اور آنحضرتؐ کو لیکر پھر مکہ کو گئیں، مگر قسمت میں مکہ جانا نہ تھا، راستہ میں بیمار ہوئیں اور بمقام ابواء رحلت کر گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

آنحضرتؐ جو یتیم تھے، اب یسیر بھی ہو گئے۔ اور رفیق عورتوں کے ہمراہ مکہ پہنچے چھ برس کے بچے کو سب کچھ سمجھ ہوتی ہے، اور آنحضرت تو شروع ہی سے جب کہ بہت خورد سال تھے۔ ایسی عقل مندی کی باتیں کرتے تھے کہ بوڑھوں کی عقل چکراتی تھی۔

جب راستہ میں والدہ بی بی آمنہ کا انتقال ہوا ہوگا، آپ کے دل پر کیسا صدمہ گذرا ہوگا، مگر صبر تو وہ ازل سے لیکر آئے تھے، اب میں اصلی بیان میلاد شریف کا شروع کرتا ہوں۔ آپ کے خاندان اور والدین کا مختصر ذکر سنکر اب تھوڑا سا ذکر میلاد سنو اور درود پڑھو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

ذکرِ ولادت

ازل میں نور ابد میں نور

اوّل بھی نور ہے، آخر بھی نور ہے، ظاہر بھی نور ہے، باطن بھی نور ہے، اوپر بھی نور، نیچے بھی نور، اِدھر نور، اُدھر نور، ازل بھی اس سے نورانی، ابد بھی اس سے روشن۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نُوْرِہٖ وَسَلَّمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی ظُھُوْرِہٖ وَسَلَّمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی جَمَالِہٖ وَسَلَّمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی کَمَالِہٖ وَسَلَّمَ ایک نور کا بیان ہے جو ازل میں بھی نور تھا، اور ابد تک نور رہیگا۔ یہ اسی نور کا ذکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی سورہ نور میں یوں بیان

فرمایا ہے :۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہ

"خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال (یوں سمجھو) جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہے، اور وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل کے اندر ہے۔ اور قندیل (اس قدر صاف وشفاف ہے) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ اس چراغ (کی روشنی زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے) ہے، اور اس چراغ کا رُخ نہ پورب کی طرف ہے نہ پچھم کی جانب اور اس کا تیل آگ کا بھی محتاج نہیں، خود ہی اپنی صفتی شعاع سے) چمکتا ہے (اور محض نور نہیں بلکہ) نورٌ علیٰ نور ہے (اب) خدا جس کو چاہے اپنے نور تک پہنچا دے (یہ تو اسرار کلام سمجھے بھی اس کا کیا مطلب ہوا) اللہ تعالیٰ آدمیوں کو سمجھانے کے لئے (اس قسم کی باتیں بطور مثال کے کیا کرتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے (بھید) سے آگاہی ہے۔"

اے روشن ایمان والو! اور اے بزم میلاد کے حاضرین! خدا تعالیٰ کی اس نورانی مثال کو ذرا غور کر کے سمجھنا، یہ اس نے کیا فرمایا ہے، طاق میں چراغ قندیل کے اندر اور قندیل کا وہ چمکتا دمکتا چہرہ جیسا چمکتا ہوا تارہ، اور نور افشانی کا وہ حال کہ کسی سمت کا پابند نہیں، نورانیت کی طاقت ایسی کہ آگ بھی درکار نہیں جس سے چراغ روشن کرنا پڑے۔ اور پھر ایک ہی نور کا شعلہ نہیں، بلکہ نور میں نور

یہ ایک بات کہی، اس عجیب آیت کا کیا مطلب ہوا؟ سنو، خدا تعالیٰ نے خود اس

آیت کے آخر میں فرمادیا ہے کہ لوگوں کے سمجھانے کو ہم مثالیں دیا کرتے ہیں اور جس پر ہماری مہربانی ہوتی ہے، وہ ان مثالوں سے مطلب تک پہنچ جاتا ہے، وہ طاق جس کے اندر چراغ رکھا ہے، یہ تمام کائنات ہے، یہ سارا نظر آنیوالا جہان ہے، یہ آنکھوں کے سامنے والی دنیا ہے اور وہ قندیل جو چراغ کو لئے ہوئے طاق میں رکھی ہے ہمارے رسول خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے، اور وہ چراغ قرآن شریف ہے، جس کی روشنی کسی سمت کی پابند نہیں ہے اور تیل قدرت وفطرت اور معنوی قوت ہے جو بغیر آگ اور ذرائع مادی کی محتاجی کے از خود اپنی جبلی نورانیت سے روشن ہے۔ اب رہا نور جس کے یہ سب ظرف تھے، برتن تھے، ٹھکانے تھے، وہ وحدت ہے، توحید ہے، خدا تعالیٰ کی یکتائی ہے، جس کی خاطر یہ سب کچھ نمودار ہوا۔ اور گھر گھر جس کی دہائی ہے۔

خدا نے فرمادیا جس کو وہ چاہے اس نور تک پہنچادے، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم کو اپنے سراج منیر اور قندیل نورانی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس نے نور وحدت تک رسائی مرحمت فرمائی اور ہم سب اس نور علیٰ نور کے کلمہ گو بنے۔

وہ نورِ الٰہی جو بندوں کے الفاظ میں توحید کہلاتا ہے اور حمد کے مقصود میں آدم علیہ السلام سے اس دم تک جلوہ دکھاتا آیا ہے، کہیں پہلی رات کے چاند کی طرح ذرا سی چمک دکھا کر پردہ میں ہٹ گیا، کہیں دوسری رات کے چاند تک بڑھا، تیسری تک آیا، یہاں تک کہ تیرھویں تاریخ کے چاند کی روشنی بھی اس نے دکھائی، اب اس نور حمد طلب کو پورا نمودار ہونا منظور ہوا، اپنی کامل جلوہ آرائی مد نظر ہوئی تو اس نے ایک سراپا حمد ہستی کو اپنا آئینہ بنایا، وہ مجسم حمد وجد ازل میں حمد کردار تھا۔ درمیان میں حمد شعار رہا، اور ابد تک حمد حمد حمد پوری حمد بنا ہوا قائم ہے اور رہیگا۔ جو چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکا اور بدر کامل بنا۔

وہ پیکرِ حمد، وہ حمد کا پُتلا جس کے اندر نورِ وحدت کی روح تھی، محمدؐ تھے، محمدؐ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، محمدؐ کے معنی حمد کیا گیا، سراپا حمد، بالکل حمد، حامد بھی وہی محمود بھی وہی، احمد بھی، محمدؐ بھی اور پھر مرکزِ حمد بھی۔

نورِ وحدت کو ایک بجلی سمجھو، تو اپنے دنیا کی بجلی پر قیاس کرو کہ وہ بعض دھاتوں کی پرواہ نہیں کرتی۔ ان سے ٹکراتی ہے، اور صاف پار نکل جاتی ہے، مگر بعض دھاتوں سے اس کو انس ہے جن میں رم جاتی ہے، سما جاتی ہے اور ان کو اپنے اثر برقی سے سراپا بجلی بلکہ خود بجلی بنا دیتی ہے۔

یا اس نور کو مقناطیس تصور کرو، تو وہ کسی کو منہ نہیں لگاتا۔ سونے چاندی ہیرے موتی کی طرف بھی رُخ نہیں کرتا، اور کالی شکل کے ایک غریب ذات لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور دوڑ کر اسکو گلے لگا لیتا ہے، خود اُسکا بنجاتا ہے، اُس کو اپنا بنا لیتا ہے۔

یا اس نور کو ہوا خیال کرو، تو وہ گلاب کو چنبیلی موتیا کو اور مشہورِ عشق باز نرگس کے پھول تک کو ہیچ سمجھتا ہے، اپنا دستِ قبولیت کسی جانب اچھی شکل دیکھکر اچھا رنگ پاکر نہیں بڑھاتا۔ پر ایک ناچیز سوکھے، زرد، پامال، ٹوٹے، بلجلے تنکے کو آغوش نشیں بنا تا ہے، گھسیٹ کر گود میں لیتا ہے، اور من تو شدم تو من شدی بن جاتا ہے۔

یا وہ نور ایک بگولا ہے۔ ہوا کا تیز جھونکا ہے، غضبناک آندھی کا پیش خیمہ ہے کہ وہ بھی پھولوں کی ڈالیوں کو مسلتا میوہ بھری شاخوں کو روندتا، جھاڑ فانوس کے بزم خانوں کو تہ و بالا کرتا، شگفتہ جھنڈوں کو مسمار کرتا، ہر رونق اور بہار سے بے رُخ ہو کر صرف ایک ناچیز اور حقیر پیروں میں ملی دَلی خاک کو نوازتا ہے، کندھے پر اٹھاتا ہے، اور دنیا کی ہر بلندی سے اس کو اعلیٰ کر دیتا ہے، اور پامال ذرّاتِ خاک اس کے ہاتھوں فلک نما ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اس نور نے کہیں آدمؑ میں اپنی شان دکھائی، کہیں نوحؑ میں موج مارتا

نظر آیا۔ کبھی ابراہیمؑ میں نمودار ہوا، کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ میں لن ترانیاں اور قم باذنیاں عیاں کیں۔ ہر زمانہ اور وقت میں ایک ہستی کو مقبول کر کے دوسری موجودات کی ہستیوں کو اپنے جلوے دکھائے۔

پھر جز جز کا پھیلاؤ ختم کیا، کل کے ظہور کی ٹھانی اور ایک کامل کو اپنی کلیت دے کر کامل بنایا۔ ناقصوں کی بھیڑ بھاڑ زیادہ دیکھی تو دنیٰ (نزدیک ہو) کہہ کر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم) کے لفظ سے کھول کھول کر سمجھایا۔

وہ نور مرکز حمد محمدؐ میں آج سے تیرہ سو برس پہلے نہیں بہت پہلے اور بہت ہی پہلے سما چکا تھا، اس وقت کہ نہ زمین تھی نہ آسمان، نہ مکان تھا نہ لامکان، فرش تھا نہ عرش، اور پھر اس کے بعد اس وقت کہ نہ آدمؑ تھے نہ حوا، نہ شیطان نہ حیوان، اور پھر کچھ بعد جبکہ آدم کی مٹی پانی میں مل رہی تھی۔ اور پتلا سانچے میں ڈھل رہا تھا، اور پھر اس وقت کہ فرزندانِ آدمؑ ہابیل و قابیل آپس میں موت کا بازار گرم کرتے تھے اور نوحؑ کی کشتی دنیا کو ڈبکیاں کھاتا دیکھتی تھی، اور ابراہیمؑ چاند سورج سے وحدت کا سبق پڑھتے تھے۔ اور موسیٰ اَرِنِیْ پکارتے تھے اور عیسیٰ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کے نعرے لگاتے تھے۔

ان سب اوقات میں، ان تمام زمانوں میں، ان کل حالتوں میں وہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وجود الکل محمدؐ میں موجود تھا اور محمدؐ اس میں موجود تھے اور اس وقت سے اس وقت تک سراپا وحدت اور محمدؐ اس زمانہ سے اس زمانہ تک داعیٔ وحدت تھے۔

اس نور نے اول سے جس رسالت و ہدایت کامل کا تاج اس شاہ احمدؐ کے سر پر رکھا تھا وہ دور ایام کے کسی زمانہ میں اس سر سے جدا نہیں ہوا۔ گو دیکھنے میں اس کا ظہور نوشیرواں عادل کے وقت نظر آیا۔ مگر نظروں سے مخفی وہ ہمیشہ موجود رہا اور نظر واحد علامؑ

الغیوب اس کو دیکھتی رہی۔

نورِ الٰہی کے اس برزخِ کبریٰ کے اسرار کی نسبت ایک ہندو عارف پنڈت جواہر ناتھ ساقی دہلوی کہتا ہے۔

برزخ رسولؐ

نورِ احمدؐ ہے احد اے نگرانِ برزخ | کنزِ مخفی ہے یہاں جلوہ فشانِ برزخ
یہ وہ جلوہ ہے نہیں سترِ تجلی کا حجاب | چشمِ باطن ہے تو آ دیکھ جہانِ برزخ
چشمِ مشتاقِ نبیؐ، حیرتیِ برقِ جمال | جلوہ فرما وہ ہوا شوکتِ شانِ برزخ
نہ کھُلا ہے نہ کھُلے گا کبھی سترِ نہاں | راز سربستہ ہے یہ کون و مکانِ برزخ

چشمِ اخفا ہو اگر وا نظر آئے ساقیؔ
مردمِ دیدہ صاحب نظرانِ برزخ

حدیث صحیح عن ابی هریرة قال قالوا یا رسول الله صلی الله علیه وسلم متی وجبت لك النبوة قال وآدم بین الروح والجسد

(رواہ الترمذی) حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ! آپ کی نبوت کب قائم ہوئی؟ فرمایا جب آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (یہ حدیث مشہور صحاح ستہ کی کتاب ترمذی میں ہے)

گویا آدمؑ کے جسم میں روح پڑی بھی نہ تھی اُس وقت بھی نورِ وحدت و نبوت اس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا۔

اور روایت روی الامام ابن جوزی فی کتاب الوفا عن کعب الاحبار قال لما اراد الله عز وجل ان یخلق محمدا صلی الله علیه وسلم امر جبرئیل فاتاه بالقبضة البیضاء التی هی موضع قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فعجنت بماء التسنیم وطیفها فی السموات فعرفت الملئکة محمدا صلی الله علیه وسلم

قبل ان یعرف آدم ثم کان نور محمد یری فی غرۃ آدم وقیل یا آدم ھذا سید ولدک المرسلین

امام جوزی نے کتاب وفا میں حضرت کعب احبار سے روایت لکھی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو (مادی) نمود میں لانا چاہا تو جبرئیل کو حکم دیا اور جبرئیل اس مقام سے جہاں اب مزار پُرانوار واقع ہے ایک مٹھی سفید خاک کی بھر کر لے گئے، اور اس کو تسنیم کے پانی سے گوندھا اور پیکرِ محمدی بنا کر تمام آسمانوں کی سیر کرائی۔ جس کے سبب آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت کو کُل فرشتوں نے دیکھا اور پہچانا۔

اس کے بعد نور محمدؐ حضرت آدمؑ کی پیشانی میں چمکنے لگا۔ اور آدمؑ کو ارشادِ ربانی ہوا کہ اے آدم! یہ جس کا نور ہے وہ تیری اولاد کے پیغمبروں میں سب کا سردار ہوگا۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

حمل کا زمانہ

ابن اسحٰق نے حضرت بی بی آمنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیٹ میں تھے، تو میں نے خواب دیکھا، جیسے مجھ سے کوئی کہتا ہے جو تیرے شکم میں ہیں سب کے سردار اور آقا ہیں۔ جب پیدا ہوں تو کہنا خدائے واحد کے حوالہ، وہ خدا ان کو ہر آفت اور حاسدوں کے شر سے بچائیگا اور ان کا نام محمدؐ رکھنا۔

دوسری روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے حمل کے زمانہ میں دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا، جس کی ایسی روشنی ہوئی کہ ملک شام میں شہر بصریٰ کے در و دیوار حضرت آمنہ کو نظر آنے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت اُس سال پیدا ہوئے ہیں جس سال ابرہہ ہاتھی لیکر کعبہ ڈھانے آیا تھا اور ابابیلوں سے ہلاک ہوا تھا

ابن کلبی کا بیان ہے کہ آنحضرت جب پیدا ہوئے تو نوشیرواں بادشاہ ایران کو تخت پر بیٹھے بائیس سال ہو چکے تھے۔

قیام

نئی روشنی والے قومی گیت گاتے ہیں تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہم نغمۂ وحدت کے موجد کی آمد پر تعظیم کو کیوں نہ کھڑے ہوں

ہوا پیام حق لاتی ہے، زمین کی زہریلی خاصیتوں کو اپنے زور سے پاک کرنا چاہتی ہے۔ بیماریوں کو آبادیوں سے اڑانا اس کا مقصود ہوتا ہے تو خاک کے ذرے تک اس کی تعظیم میں کھڑے ہو کر اڑنے لگتے ہیں، پھر ہم کیوں اس یزدانی جھونکے کی تعظیم نہ کریں، جو زمین کی سب خرابیوں کو دور کرنے آیا۔ دنیاوی بادشاہوں کے خطا تختوں کے نام جاتے ہیں تو وہ سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم دیتے ہیں۔ آج ہمارے ہاں بھی شہنشاہ کونین کی آمد کا ذکر ہے۔ ہم غلام اس کی عزت کو ہاتھ باندھ کر کیوں نہ کھڑے ہوں۔

سمندر موسم کی آمد کا موجوں کے قیام سے استقبال کرتا ہے، آگ کی نوکری کا وقت آتا ہے، کھانے پکانے کی خدمت سامنے آتی ہے تو اس کے شعلے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیمپ و چراغ تاریکی دور کرنے کے لئے حکم پاتا ہے تو ساری رات اپنے شعلۂ نور کو قیام میں رکھتا ہے۔

زمین کا ہر پودا جو ضرورت انسان کا نوکر بنایا گیا ہے، کھڑا رہتا ہے۔ منکروں کی طرح، بے ادبوں کی مانند بیٹھا رہے تو کسان اس کو کھود کر پھینک دیتا ہے۔

الف جو سب حروف کا دربان ہے، دیکھو کھڑا ہے، قرآن کی پہلی آیت جو نازل ہوئی اس میں اِقْرَأْ کا الف اسی قیام کی علامت ہے، پہلے قیام ہے پھر بیان ہے۔

رسول ؐ کو پہلا حکم جو ملا، اس میں بھی اول قُمْ (کھڑا ہو) کا ارشاد ہے۔

نماز کی ابتداء قیام سے ہے، جمعہ کی شروعات بھی خطبہ کے قیام پر ہے، جہاد میں خدا کے نام پر سر کٹانے والے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر لڑتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ میلاد کا قیام بدعت ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ آنحضرتؐ خود تشریف لاتے ہیں، اور یہ سمجھ کر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ان سے کہو! آنحضرتؐ گئے کہاں تھے، وہ تو ہمارے پاس تھے، ہمارے سینوں میں دلوں میں اُن کی ذات وصفات نقش تھی، ہم تو اُن کے ذکر کی عزت کرتے ہیں۔ اور خاصکر ولادت کے وقت اپنے دل کے اعزاز کو قیام کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔

مفتی سیّد محمد حنیف نکودری لکھتے ہیں

سیّد تو صبح و شام درود و سلام بھیج
حضرتؐ کالے کے نام درود و سلام بھیج

تعظیم اسم پاک محمدؐ ضرور ہے
مولود میں قیام درود و سلام بھیج

اے عاشق رسولؐ ہو مولود میں شریک
کر دل سے احترام درود و سلام بھیج

مولود ہو، قیام ہو، تیرا ہو ذکرِ خیر
تیرا ہو احترام درود و سلام بھیج

وہ ذات جس کے واسطے پیدا ہوا جہان
اس پر تو با سلام درود و سلام بھیج

تعظیم کو کھڑے ہو جاؤ۔ وقت ولادت قریب آیا

اور پڑھو درود و سلام اُس ذات پر جس کے واسطے خدا اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ

ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو دوشنبہ کے دن آدمؑ کی پیشانی کا نور نوحؑ و ابراہیمؑ کے دل کا سرور، اسمٰعیلؑ کی راحت جان، ہاشم و عبداللہ کے گھرانہ کی شان غریبوں کا حامی، بیکسوں کا سہارا، بی بی آمنہ کے پیٹ سے تولد ہوا۔

مائل دکنی

چمکا ہے کیوں نور اس قدر
روشن ہیں جس سے بام و در
جس پر فدا نورِ سحر
جس سے خجل شمس و قمر
ہے کس کی آمد کا اثر
ہوتا ہے کون اب جلوہ گر
ہر گھر تجلّی کا ہے گھر
ہر جا ہے موسیٰ کی نظر

ظاہر ہوا مہرِ طلب
ظاہر ہوا اُمّی لقبؐ
ظاہر ہوا کل کا سبب
ظاہر ہوا عالی نسب
ظاہر ہوا والا حسب
ظاہر ہوا ماہِ عربؐ
ظاہر ہوا محبوبِ رب
وحدت طلب خیر البشرؐ

پیدا ہوا شاہِ شہاں
رونق دہِ کون و مکاں
زینت فزائے دو جہاں
عقدہ کشائے کُن فکاں
سرِّ نہاں، عینِ عیاں
فخرِ زماں، رطب اللساں
روحِ رواں آرامِ جاں
جس کا ہے میرے دل میں گھر

غیب آشیاں پیدا ہوا
وحدت نشاں پیدا ہوا
کثرت مکاں پیدا ہوا
راحت رساں پیدا ہوا
شیریں بیاں پیدا ہوا
شیریں زباں پیدا ہوا
شیریں دہاں پیدا ہوا
پیدا ہوا رشکِ قمر

عاشق ہوئے سب مہ لقا | عاشق ہوئے سب دل رُبا
عاشق ہوئے سب اتقیا | عاشق ہوئے سب اصفیا
عاشق ہوئے سب اولیا | عاشق ہوئے سب انبیاء
عاشق ہوا خود بھی خدا | دل دید یا منہ دیکھ کر

کفر اب نہ کیوں بے دم رہے | یہ کیوں نہ مٹی میں ملے
صورت نہ کیوں اس کی چھپے | اب کیوں نہ اس کا سر کٹے
سرپا برہنہ دوڑ کے | آیا ہے لڑنے کے لئے
گردوں ہلال و مہر سے | باندھے ہوئے تیغ و سپر

کیا فہم کیا ادراک ہے | کیا جامہ کیا پوشاک ہے
کیا چُست کیا چالاک ہے | کیا شوخ کیا بے باک ہے
کیا آنکھ ہے کیا ناک ہے | کیا شہ لولاک ہے
دل پاک ہے مُنہ پاک ہے | بے عیب ہے یہ باہُنر

سلام اے دنیا کے نئے مہمان | سلام ہم سب کی عقبیٰ کے نگہبان
سلام بی بی آمنہ کے لاڈلے | سلام عبدالمطلب کے راج دُلارے

فرشتوں کی صف بندیاں سلام کرتی ہیں پیغمبروں کی روحیں سلام کرتی ہیں۔ ساری کائنات سلام کہتی ہے، چرند و پرند، درندے وگزندے شجر و حجر، حیوان و انسان سب مجرا بجالاتے ہیں، آداب کو سر جھکاتے ہیں۔ ہمارا بھی سلام لیجئے۔ آپ کی اُمت کہلاتے ہیں، آپ کے نام کی یاد میں دو سانس آتے جاتے ہیں۔
ان بندھے ہوئے ہاتھوں کا سلام، اِن جھکے ہوئے سروں کا سلام، ان روتی
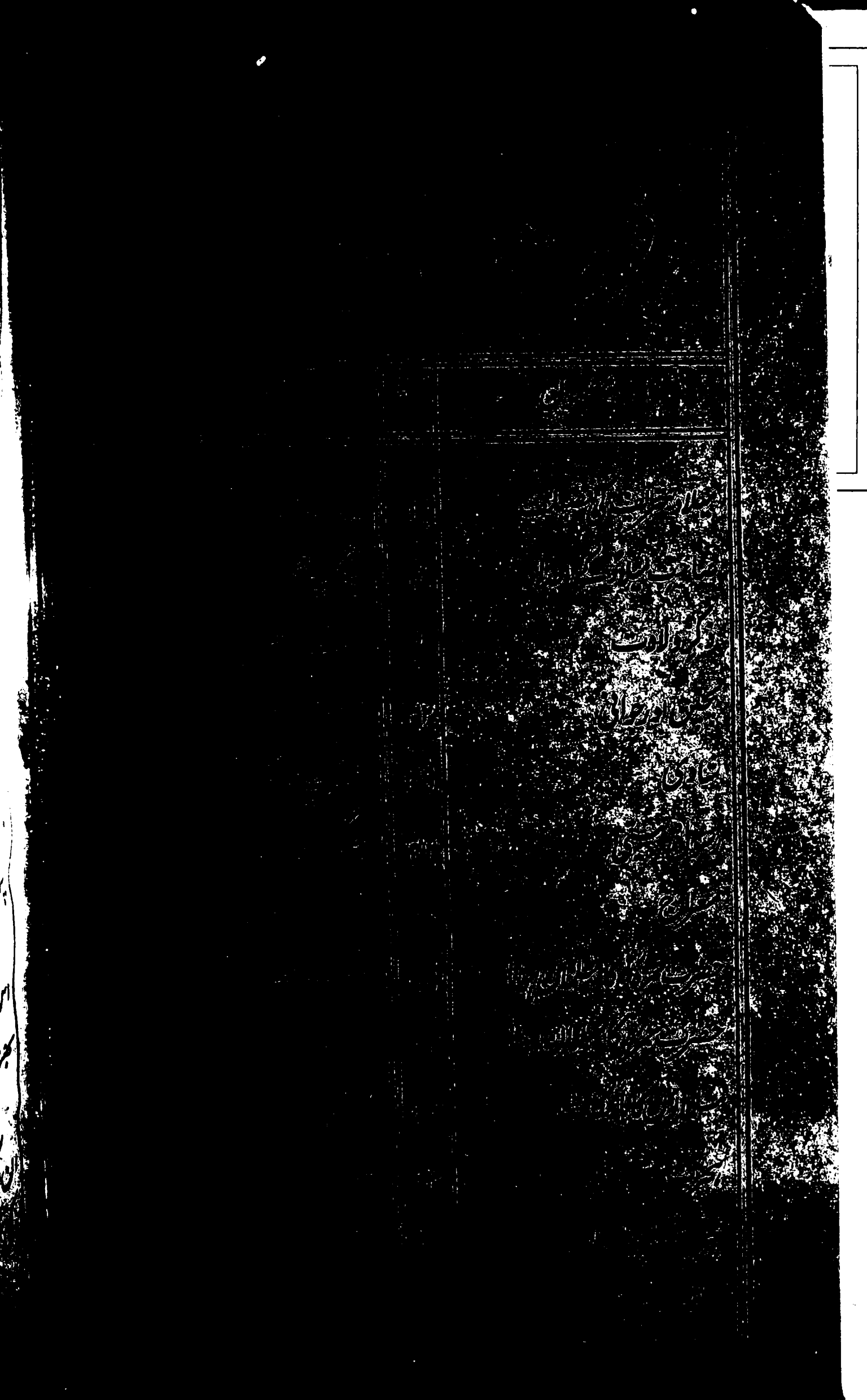
ہوئی آنکھوں کا سلام، ان بھیگی ہوئی پلکوں کا سلام، تڑپنے والے دلوں کا سلام، دھڑکنے والے کلیجوں کا سلام، فراق کی آہوں کا سلام، ہجر کی بیتابیوں کا سلام، دم وصال کا سلام، امید وخیال کا سلام۔

سلام لو ہم شکستہ حالوں کا، آفت کے ماروں کا، بھوکے پیٹوں کا، پھٹے کپڑوں کا پیاسی زبانوں کا، اُن کا جو لُٹ گئے ہیں، اُن کا جو بے یار و مددگار ہو گئے ہیں جنکا تاج و تخت ہاتھوں سے نکل گیا ہے، جو دنیا کی ذلیل ٹھوکروں میں پڑے دن کاٹ رہے ہیں۔

اے نورانی سرور! اے یزدانی پیغمبر! اے اُمتی اُمتی کہنے والے! اے لاچاروں کا ہاتھ پکڑنے والے! اے بیماروں کے تیماردار! اے اکیلوں کے مونس و غمخوار! سلام لو۔ سلام لو۔ یہ اُمت کھڑی ہے، وہی جس کو یاد کرنے آئے ہو، وہی ہے جس کو کہیں نہ بھولے تھے۔ یہ تمہاری ہے، تم اس کے ہو دستگیری کا وقت ہے ناؤ ڈبکیاں کھاتی ہے، طوفان سر پر آیا ہے۔ سلام لو، اور اس کا ہاتھ تھام لو۔ سلام لو، اور کوثر کا بھر کر جام دو، ضرور ساتھ آیا ہوگا۔ خدا نے ساتھ بھجوایا ہوگا۔ لبیک لبیک۔ حاضر، حاضر، سرکار ہم سب حاضر ہیں۔ غلام کمر باندھے کھڑے ہیں، دیدار دکھائیے اور سنئے:۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ مُحَمَّدٍ
وَسَلَامُهُ وَسَلَامُهُ وَسَلَامُهُ إِلَى الْأَبَدِ

آنحضرتؐ جس گھر میں پیدا ہوئے اُس کا نام دار ابن یوسف تھا، گویا یہ یوسف جہاں جس مکان میں نمودار ہوا، وہ بھی اسم یوسف رکھتا تھا۔

آپ کی والدہ فرماتی ہیں، آنحضرت پیدا ہوئے تو ان کے ہاتھ اس طرح تھے گویا دعا مانگ رہے ہیں، اور سر ایسا تھا، جیسا خدا کی طرف نگاہ اٹھی ہوئی ہے۔ کیوں نہ ہو شروع بھی دعا تھی، اور آخر بھی دعا تھی، اول بھی خدا کی یاد و پکار تھی

آخر بھی اُسی کو رفیق، رفیق، رفیق الاعلیٰ کہا جاتا تھا۔

عثمان ابن العاص کی والدہ پیدائش کے وقت حاضر تھیں، کہتی ہیں جب حضورؐ پیدا ہوئے تو اس قدر روشنی ہوئی اور نور چمکا کہ گھر کی ہر چیز آئینہ نظر آنے لگی اور آسمان کے تارے تو اس طرح جھکے پڑتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا آسمان سے ٹوٹ کر ہمارے گھر میں گھس آئینگے

جب یہ یتیم پیدا ہوا تو باپ کہاں تھے جو دوڑ کر آتے اور اپنے نونہال کی صورت دیکھ کر جی خوش کرتے، والدہ نے دادا کو خبر دی، عبدالمطلب خوشی خوشی گھر میں آئے اور پوتے کو سینہ سے لگایا۔

حضرت آمنہ نے کہا، مجھ کو خواب میں محمدؐ نام رکھنے کی ہدایت ہوئی ہے۔

عبدالمطلب بولے اچھی بات ہے، اس کا نام محمدؐ ہم نے بھی قبول کیا۔

آنحضرت کو سب سے پہلے بی بی ثوبیہ نے دودھ پلایا، جو مشہور کافر ابولہب کی لونڈی تھیں، ان کے بعد بی بی حلیمہ سعدیہؓ ان کو اپنے ساتھ لے گئیں اور اپنے قبیلہ میں رکھ کر دودھ پلاتی رہیں، اور وہیں ان کے پاس آپ کی شیرخوارگی کا زمانہ گزرا۔

اس زمانہ میں دستور تھا کہ قریش کے سرداروں کے بچے گاؤں والوں کو دیئے جاتے تھے کہ دیہات کی تازہ ہوا کھائیں اور تندرست دودھ پئیں۔

چنانچہ ہر سال باہر گاؤں کے لوگ مکہ میں آتے تھے اور شرفاء کے بچوں کو دودھ پلانے لیجاتے تھے، اس کے صلہ میں ان کو بڑے بڑے انعام واکرام ملتے تھے۔

جس سال آنحضرت پیدا ہوئے، قحط پڑا ہوا تھا اور خلقت بھوکی مر رہی تھی۔ دستور کے موافق اب کے بھی گاؤں والے بچے لینے مکہ میں آئے، انہی میں قبیلہ سعد کی ایک بی بی تھیں، جن کا نام حلیمہ تھا، جب یہ آئی ہیں تو ان کے اونٹ میں بھوک کے مرنے کے سبب چلنے کی طاقت نہ تھی، اور یہ خود بھی نہایت افلاس کی حالت میں تھیں، جن کے پاس تیز سواریاں تھیں وہ آگے دوڑ کر مکہ میں پہنچ گئے اور اچھے اچھے گھرانوں کے بچے

لے لئے، بی بی حلیمہ بعد میں پہنچیں اور ان کو کوئی بچہ نہ ملا، آنحضرتؐ کو کسی نے قبول نہ کیا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے، کہ بن باپ کا بچہ ہے اس کو لینے سے فائدہ ہی کیا ہوگا اگرچہ اس کا دادا قریش کا سردار اور بڑا آدمی ہے مگر باپ کی سی بات اس میں کہاں، وہ پہلے ہی کثیر الاولاد ہے اس یتیم پوتے کی دایہ گری میں اس سے انعام و اکرام کی توقع عبث ہے۔

بی بی حلیمہ کو جب کوئی بچہ نہ ملا تو بڑی مایوس ہوئیں، اپنے خاوند سے صلاح لی، اس نے کہا کیا ڈر ہے، اگر وہ بچہ بے باپ کا ہے تو ہونے دو۔ دادا تو اس کا امیر کبیر ہے، تم بے تامل اس یتیم بچے کو لے لو۔

ادھر بی بی آمنہ کا عجیب حال تھا، جب وہ دیکھتی تھیں کہ کوئی عورت میرے بچہ کو یتیم سمجھ کر نہیں لیتی، تو ان کو اپنے خاوند یاد آتے تھے کہ آج وہ زندہ ہوتے اور اپنے بچہ کے سر پر ان کا سایہ ہوتا۔ تو کاہے کو یہ حالت ہوتی کہ جو آتا ہے منہ پھیر کر ناک بھوں چڑھا کر چلا جاتا ہے، اور اس خیال سے ان کو بے اختیار رونا آتا تھا۔

آخر بی بی حلیمہ حضرت آمنہ کے پاس گئیں اور آنحضرت کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ حضرت آمنہ نے لاڈلے کو دائی کی گود میں دیدیا، حلیمہ نے ان کو چھاتی سے لگا کر اپنے قبیلہ کا راستہ لیا۔

معتبر اور صحیح روایتوں میں مذکور ہے کہ یا تو حلیمہ کا اونٹ چلتا بھی نہ تھا۔ قدم قدم پر رک جاتا تھا، اور کمزوری کے سبب مردہ جیسا ہو رہا تھا، یا یہ حالت ہوئی کہ حلیمہ نے پہلے سے چلے ہوئے لوگوں کو راستہ میں جا پکڑا، اور اونٹ کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر سوار سے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔

لوگوں نے بہت تعجب سے پوچھا کہ حلیمہ تیرے اونٹ کی تو بری حالت تھی، اب اس میں یہ طاقت کہاں سے آگئی۔ حلیمہ نے کہا مجھے خود حیرت ہے۔ میرا اونٹ ہی نہیں، میری بکری کی بھی کایا پلٹ گئی، پہلے اس کے تھنوں میں دودھ کی ایک بوند نہ تھی،

اب اس نے راستہ بھر ہم کو بھر بھر لوٹے دودھ دیا۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں، یہ اس یتیم بچہ کی برکت ہے۔ جس کو میں ساتھ لائی ہوں۔

بی بی حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں آنحضرتؐ کو لے کر اپنے گاؤں میں آئی تو میرے گھر میں لہر بحر ہو گئی، باوجود خشک سالی کے میری بکریاں خوب دودھ دینے لگیں جب وہ شام کو جنگل سے آتیں تو اُن کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے تھے، اور گاؤں والوں کی بکریاں خالی تھن آتیں۔ تو وہ اپنے چرواہوں سے کہتے ارے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرنے جاتی ہیں، وہیں تم بھی لے جایا کرو۔ دیکھتے نہیں اس کی بکریاں کیسی دُودَم دودھ ہو رہی ہیں۔ اور ہماری بکریاں بالکل خالی۔ چرواہوں نے کہا، ہم تو وہیں چراتے ہیں، جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ خبر نہیں کیا بات ہے کہ جو اس کی بکریوں کے تو دودھ ہوتا ہے اور ہمارے ہاں نہیں

غرض حلیمہ کے گھر میں کسی بات کی کمی نہ رہی۔ اور جب آنحضرت دو سال کے ہوئے تو ایسے ترو تازہ اور توانا تھے کہ حلیمہ نے ان کا دودھ چھوڑا دیا، اور جو چیز کھانے کو دی، آپ بے تکلف کھانے لگے۔

حلیمہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ دو سال کی عمر میں چار سال کے معلوم ہوتے تھے، جب وہ اچھی طرح روٹی کھانے لگے، تو میں ان کو لے کر بی بی آمنہ کے پاس گئی، اور کہا کہ میرا جی تو اس بچہ سے ایسا مانوس ہو گیا ہے کہ ابھی چھوڑنے کو طبیعت نہیں چاہتی، اگر آپ اجازت دیں تو کچھ دن اور اپنے پاس رکھوں۔

بی بی آمنہ نے فرمایا، بوا مجھ کو بھی دنیا میں اس ایک جان کے سوا دوسرا کون سوجھتا ہے یہی لے دیکے ایک زندگی کا سہارا ہے، دو برس تو میں کلیجہ پر سِل رکھے بیٹھی رہی۔ اب تو اس کو چھوڑ جاؤ تو اچھا ہے جب چاہنا آکر صورت دیکھ جانا۔

بی بی حلیمہ نے حضرت آمنہ سے کہا، جہاں دو برس آپ نے عنایت کی ہے

کچھ دن اور بھی سہی۔ کیا کروں میراجی توکسی طرح نہیں مانتا، میری عاجزی، اور گڑگڑانے پر ترس کھائیے۔ اور اب کے تو اس کو اور دیدیجئے۔

لاچار حضرت آمنہ نے حلیمہ کی منت قبول کرلی، اور آنحضرت کو پھر دے دیا۔ حلیمہ خوشی خوشی گھر لے آئیں۔

چند دن میں آنحضرتؐ حلیمہ کے بچوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جانے لگے۔

سینہ چاک

حلیمہ بیان کرتی ہیں اور اس کی تصدیق حدیثوں میں بھی موجود ہے، یعنی خود آنحضرتؐ نے اس روایت کو اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ حلیمہ کے بچوں کے ساتھ جنگل گئے ہوئے تھے، کہ یکایک حلیمہ کے لڑکے بے تحاشا دوڑے ہوئے گھر میں آئے اور کہا، دوڑو بڑا غضب ہوگیا، دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور انہوں نے ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر پچھاڑ دیا اور اس کا سینہ چاک کر ڈالا۔

حلیمہ کہتی ہیں میرے اوسان خطا ہوگئے، پیروں تلے سے زمین نکل گئی، یونہی ننگے پاؤں ننگے سر دوڑی اور ساتھ میں میرا خاوند اور گاؤں والے بھی دوڑے وہاں جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت تو کھڑے مسکرا رہے ہیں، مگر چہرہ فق فق ہوا جاتا ہے۔

میں نے کہا۔ قربان گئی کیا ہوا تھا؟ بولے کچھ نہیں، تم گھبراؤ مت، دو آدمی آئے انہوں نے میرا پیٹ سینہ سے ناف تک چیر ڈالا اور پیٹ سے کوئی چیز ڈھونڈھ کر نکالی، اس کو دھویا، اور پھر اندر رکھ کر پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا، اور میرا پیٹ پھر ویسا ہی ہوگیا، جیسا تھا، تم فکر نہ کرو، مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

آنحضرتؐ کا بیان سنکر میرے خاوند نے کہا، اس کو آسیب کا خلل معلوم ہوتا ہے تو اس کو لیجا اور اس کی ماں کو دیدے، پرایا بچہ ہے کچھ ہوگیا تو ہماری مشکل آئے گی۔

میں آنحضرتؐ کو لیکر حضرت آمنہ کے پاس آئی انہوں نے فرمایا، انا جی! تم تو ان کو

بڑی منتوں سے لے گئی تھیں، الٹا کیوں لے آئیں ہیں نے کہا، بی بی کیا عرض کروں یہ قصہ پیش آیا۔ ہم سب ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کو آسیب تو نہیں ہو گیا۔

حضرت آمنہ نے ہنس کر فرمایا:۔ اری تو ڈر مت، میرے بچہ کو آسیب نہیں ہو سکتا، اس کی تو ایسی ہی عجیب باتیں اوّل سے میں دیکھتی آئی ہوں۔ اور پھر انہوں نے حلیمہ سے حمل اور ولادت کے سب واقعات کہے۔

بچپن اور جوانی

یہ تو اوپر پڑھا ہو گا کہ آنحضرتؐ چھ برس کے تھے جب آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

اس وقت آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کو پالنا شروع کیا۔ ان کو آپ سے ازحد محبت تھی، کیونکہ ان کے سب پوتے پوتیوں میں جو دوسرے بیٹوں سے تھے آنحضرت چکنے چپڑے اور صاف ستھرے رہتے تھے، اور بڑی پیاری پیاری شکل کے تھے آخر عبد المطلب بھی بیمار ہوئے اور انہوں نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کر کے آنحضرت کی سرپرستی کے بارہ میں پوچھا، ہر ایک نے چاہا کہ ہم کو اس کی سرپرستی ملے، مگر عبد المطلب نے آپ کو حضرت ابو طالب کے سپرد کیا۔

جب عبد المطلب کا انتقال ہو گیا، تو آنحضرت ابو طالب کے زیر سایہ رہنے لگے بچپن میں آپ عام بچوں کے سے کھیل نہ کھیلتے، نہ شوخی شرارت کرتے تھے۔

صبح کا ستارہ شام کو بچپن کا ایک قصہ

آنحضرتؐ کی عمر نو برس کی تھی اور اس صبح کے ستارہ کا نور خوب چمکنے لگا تھا۔ اسی زمانہ میں آپ کے چچا سفر شام کیلئے تیار ہوئے، یہ ملک شام میں اکثر تجارت کرنے جایا کرتے اب کے جو انہوں نے ارادہ کیا تو آنحضرتؐ نے کہا، چچا! ہمیں بھی ملک شام لے چلو، انہوں نے کہا، میاں ابھی تم بچہ ہو، یہ سفر بہت بڑا اور مشکل ہے، مگر اس نو برس کی جان نے جو جفاکشی اور محنت کا مادہ ازل سے ساتھ لے کر پیدا

ہوا تھا۔ جواب دیا کچھ ڈر نہیں۔ میں کسی تکلیف سے نہیں گھبراؤں گا۔ مجھے اس ملک کے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

حضرت ابو طالب نے دیکھا کہ ان کے نہ ماں ہیں نہ باپ ہیں، دلشکنی نہ کرنی چاہیئے مجبوراً ساتھ لے لیا۔ اور ملک شام کو روانہ ہوگئے۔

یہ آنحضرتؐ کا دوسرا سفر تھا، ایک دفعہ چھ برس کی عمر میں والدہ کے ساتھ مدینہ گئے تھے۔ اور اب نو برس کی عمر میں ملک شام کو چلے تھے۔

ذرا دیکھنا صبح کے نور کو سانڈنی پر سوار شام کو صبح بنانے چلا ہے، آس پاس تجارتی اسباب کے اونٹ ہیں، بوڑھے چچا ہیں، ان کے نوکر چاکر ہیں۔ بیچ میں یہ مکھڑا لمبے لمبے بال کندھے پر ڈالے، کمر باندھے، تیر کمان اٹھائے، تلوار پرتلے پر لٹکائے جھومتا چلا جاتا ہے راستہ کی دھوپ اس کو پریشان نہیں کرتی، خود پریشان ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کی ہیں دید میں چاہتی ہے کہ آگے جاکر روشن چہرہ دیکھے، مگر خدا کا بھیجا ہوا ابر کا ٹکڑا اس کو دھکے دیدیتا ہے۔ اور اس کے اوپر ٹھنڈا سایہ کئے ہوئے چلتا ہے۔

نیچر و فطرت کی کتنی چیزوں کو اس محبوب خدا کے سفر نے بے چین کیا ہے، مگر دنیا میں تو یہی ہوا کرتا ہے۔ جب بادشاہ یا شہزادے سفر کو نکلتے ہیں تو ماتحتوں کو راستہ کے انتظامات میں دن کا کھانا اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے، آج اس وحدت کے شہزادے کی خاطر اگر اسباب مادی مصروف ہیں تو کونسی نئی بات ہے، اگر ان کو نوکری دینی پڑ رہی ہے تو یہ ان کا فرض ہے تعجب کا مقام نہیں۔

بُصریٰ میں رُک گئے

یہ قافلہ شام کے قریب بُصریٰ میں پہنچا۔ یہ وہ مقام ہے، جو بی بی آمنہ کو سیدالکل آنحضرتؐ کے وقت نور غیب سے نظر آیا تھا) تو بحیرا نامی ایک عیسائی درویش کے پاس جاکر ٹھیرا۔ یہ عیسائی فقیر جس کو راہب کہتے ہیں، پرانی کتابوں کا بڑا عالم تھا، اور آخر زمانہ

کے پیغمبر کی نشانیاں اس کو ازبر یاد تھیں۔ یہ اور اس کی طرح بہت سے لوگ آس لگائے بیٹھے تھے کہ آخر زمانہ کا نبی عنقریب پیدا ہونے والا ہے۔ بحیرا نے اس قافلہ کو دور سے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ ایک لڑکے پر ابر کا سایہ ہے۔ یہ قافلہ اور قریب آیا اور دم لینے کو ایک درخت کے نیچے اترا تو اس درخت کی ٹہنیاں آنحضرت پر سایہ کرنے کو چاروں طرف سے جھک آئیں، بحیرا نے یہ سیر بھی دیکھی اور جانا کہ ضرور اس میں کچھ بھید ہے۔

قافلہ اس کا مہمان ہوا۔ اس نے سب کو کھانا کھلایا، کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ آرام کرنے چلے، تو بحیرا نے حضرت ابوطالب سے کہا، یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟ حضرت ابوطالب نے کہا، میرا بیٹا ہے، بحیرا نے کہا اس کا باپ تو زندہ نہ ہونا چاہئے ابوطالب بولے ہاں ہاں سچ کہتے ہو، اس کا باپ میرا بھائی تھا جو اس کے پیدا ہونے سے پہلے مر گیا۔ اور راہب کی بات سے ان کو بہت تعجب ہوا۔ اس کے بعد یہ سب تو آرام کرنے چلے گئے، اور راہب نے آنحضرت کو روک لیا اور پوچھا:۔

کیوں صاحبزادے! تم کو کچھ خواب نظر آتے ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا۔ ہاں، اور اپنے عجیب وغریب خواب بیان کئے، پھر اس راہب نے آپ کی پشت دیکھی اور مہر نبوت کا نشان دیکھ کر بولا بیشک تم ہی ہو، اور دیر تک طرح طرح کے سوال کرتا رہا۔

جب ابوطالب آرام کر کے آئے، تو راہب نے کہا، اب تم آگے نہ جاؤ، اپنا مال یہیں فروخت کر دو۔ کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ اس لڑکے کے بہت دشمن ہیں، انہوں نے اس کو میری طرح پہچان لیا تو اس کو تکلیف دیں گے، اور وہ ضرور پہچان لیں گے، کیونکہ اس کی علامتیں بالکل کھلی ہوئی اور صاف نظر آتی ہیں۔

اے ابوطالب! تیرا بھتیجا دنیا میں ایک عظیم الشان شخص ہوگا۔ ہماری کتابوں میں اس کی خبریں سب پیغمبروں نے دی ہیں، تو اس کی قدر اور حفاظت کر، اس کے

دشمن بہت ہیں۔

ابو طالب اور ان کے ساتھ والوں کو راہب کی باتوں سے بڑی حیرت ہوئی۔ چونکہ ان لوگوں کو اگلی کتابوں کا علم نہ تھا، اس واسطے ان پر راہب کی باتوں نے بڑا اثر کیا، اور وہ سب کے سب آنحضرت کو اچنبھے کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

حضرت ابو طالب نے راہب کا کہنا مان لیا، اور بصریٰ میں اپنا مال فروخت کرنے کا بندوبست کرنے لگے۔

اتنے میں چند رومی سوار ادھر آئے۔ راہب نے پوچھا کس کی تلاش ہے؟ بولے بادشاہ کو کسی غیب داں نے خبر دی ہے کہ آج اس ملک کا تباہ کرنے والا پیغمبر یہاں آیا ہے، اس کی تلاش میں چاروں طرف لوگ گئے ہیں۔ ہم بھی اسی کی تلاش میں اس رخ آئے ہیں۔

راہب نے کہا، دیوانو یہ تو سمجھو، کہ اگر وہ پیغمبر ہے، تو تم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہو اس کا تو خدا حافظ ہے۔

عیسائی سپاہی راہب کی بات سے قائل ہو گئے، اور جدھر سے آئے تھے ادھر چل دیئے۔

اب تو حضرت ابو طالب نے جلدی جلدی مال فروخت کرنا شروع کیا، اور مکہ کو فوراً واپس چلے آئے۔

آنحضرت کا بچپن ختم ہوا، جوانی کا زمانہ آیا، تو بچپن کی طرح جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی، اوباش نوجوانوں کی کوئی بات آپ میں نہیں تھی، رات دن بکریاں چرانے میں مصروف رہتے تھے۔

جوانی کی ترنگ

آنحضرت نے خود فرمایا ہے کہ جوانی کے دنوں میں ہم بکریاں چرانے جایا کرتے تھے ایک دن میں نے

اپنے ساتھی چرواہے سے کہا، بھائی آج رات کو ذرا تو میری بکریوں کی حفاظت کیجیو میں شہر جاؤں گا اور دیکھوں گا، کہ اس عمر میں نوجوان لوگ کیا کیا مزے اڑاتے ہیں۔ اور ممکن ہوا تو میں بھی اس کا لطف اٹھاؤں گا۔

چنانچہ شام کو سورج چھپنے کے بعد میں شہر میں آیا، وہاں ایک مکان میں کسی کی شادی تھی اور ناچ گانا ہو رہا تھا، جی چاہا کہ چل کر دیکھوں، لیکن نیند بہت آ رہی تھی، میں نے کہا تھوڑی دیر نیند لے لوں، پھر چلوں گا، ایک پتھر پر سر رکھکر سو رہا اور ایسا سویا کہ صبح کو جب سورج کی گرمی معلوم ہوئی تو آنکھ کھُلی۔

اس دن تو خیر سو گیا تھا، دوسرے دن پھر ارادہ کر کے گیا، مگر نیند نے کچھ نہ دیکھنے دیا اور پھر سو گیا۔ اس کے بعد کبھی میں نے اس کا خیال بھی نہ کیا۔ ہمعمر سیر تماشے کو کہتے بھی تو میں کہہ دیتا تھا کہ بھائی میں تو نیند کا دکھیا ہوں، سو جاؤں گا۔

امین کا خطاب

ان دنوں نوجوانوں کی عیش پرستیاں عام تھیں، اور سب لوگ ان میں مبتلا تھے مگر آنحضرت کی نرالی پاکبازی اور سچائی کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ آپ کو امین کہہ کر پکارنے لگے اور ہر جگہ آپ کی راست بیانی اور نیک چلنی کا چرچا ہونے لگا۔

اور یہ وہ خوبی تھی جس کا غیر مذہب کے لوگوں کو بھی آج تک اقرار ہے۔ اور وہ سب آنحضرت کے چال چلن کی پاکی پر تعجب کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ مجھ کو یعنی حسن نظامی کو مشہور انگریز عورت مسز اینی بسنٹ نے آنحضرت کی نسبت لکھا تھا کہ میں تو انکی اسی ایک بات سے انکو پیغمبر مانتی ہوں کہ ان کا چال چلن جوانی میں نہایت اچھا رہا اور خود ان کی بدچلن قوم نے ان کو امین کا خطاب دیا۔

پہلی سرداری

اسی امین کے لقب اور نیک چلنی کے سبب خدا نے آپ کو یہ رُتبہ دیا کہ جوانی میں آپ نے عرب قوموں کے بڈھے بڈھے

ہو الکل　　　　　　یا معین

میلاد نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میلاد شریف کی فضیلت اور احتیاط

ایک اللہ کے لاکھ لاکھ فضل و کرم کے قربان جایئے کہ اس نے ہم کو اپنے مقبول رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ سے اپنی وحدت کا سچا ایمان دیا۔ اور ایسے رسولؐ کی اُمت بنایا جو سب رسولوں اور نبیوں سے افضل ہیں اور جن پر خود وہ ایک اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں۔

جیسا ہمارا دین اسلام سچّا، پورا، اور خدا کی نعمتوں کا خزانہ ہے، ویسے ہی اس دین کے لانے والے پیغمبرؐ بھی سچّے، پورے، کامل اور پروردگار کی نعمتوں سے بھرپور ہیں اور اُن کو ہم سب مسلمانوں کے ساتھ جو اُنکی امت ہیں بڑی محبت ہے۔

اگرچہ اب وہ خدا کے اچھے رسولؐ جسم کی زندگی میں زمین پر موجود نہیں، مگر ان کی باطنی اور روحانی زندگی اب بھی اس دُنیا میں موجود ہے اور ہماری حالتوں کی [illegible] دی ہوئی قوت سے ان کو رہتی ہے۔

[illegible] کے اندر دو دفعہ امت کے نیک و بد حالات کی اطلاع فرشتے ان [illegible] وہ اپنی اُمّت کی نیکیاں دیکھتے ہیں، اچھے عمل ملاحظہ فرماتے

سرداروں کا فیصلہ کیا۔ آپ کی اس پہلی سرداری کا قصہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں عرب کی سب قوموں نے مل کر کعبہ کو نئے سرے سے بنایا تھا، جب تعمیر ختم ہو چکی تو حجر اسود دیوار میں لگانے پر جھگڑا پڑا، ہر فریق کا سردار کہتا تھا، یہ عزت میرے حصہ میں آنی چاہئے میں یہ آسمانی پتھر کعبہ میں لگاؤں گا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔ اور کشت و خون ہونے کا سامان ہو گیا۔ اس وقت یہ صلاح ٹھیری کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے گا۔ اُس کو یہ حق دیا جائیگا کہ ہمارا فیصلہ کرے۔ دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرتؐ کعبہ میں گئے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ بہت سویرے بیدار ہوا کرتے تھے۔

لوگوں نے آپ کو دیکھا تو خوشی کے نعرے لگائے۔ اور کہا بھئی خوب ہوا، امین کے حصہ میں فیصلہ آیا۔ یہ بہت اچھی بات ہے وہ ناحق رو رعایت کسی کی نہ کرے گا۔

آنحضرتؐ نے ایک عجیب عقلمندی کی ترکیب نکالی، اور وہ یہ کہ اپنی چادر کو زمین پر بچھا دیا۔ اور اس پر حجر اسود رکھ دیا، اس کے بعد فرمایا کہ اب سب قوموں کے سردار اس چادر کے کونے پکڑ کر اٹھائیں، اس طرح سب شریک ہو جائیں گے اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ہوگا کہ میں محروم رہ گیا۔ جب اُنھوں نے چادرہ اٹھالیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ لو اب مجھ کو اجازت دو کہ تمہارا سب کا قائم مقام بن کر اس کو دیوار میں لگا دوں۔ سب نے خوشی سے اجازت دی۔ اور آپ نے یہ پتھر دیوار میں لگا دیا اور اس طرح ایک بڑی خونریزی ہوتے ہوتے رُک گئی۔

یہ آنحضرتؐ کا پہلا فیصلہ اور پہلی سرداری تھی، جو سارے عرب کے سرداروں پر قائم ہوئی۔

ادب کعبہ کا حلف

کعبہ کی بزرگی اور حرمت و ادب کا عرب کفار کو بھی بڑا خیال رہتا تھا، وہ چاہتے تھے۔ کہ

خانۂ خدا میں کوئی ظالم نہ رہے۔ اور جو مظلوم کعبہ میں آ جائے اُس کی حمایت کی جائے اور اس کو پناہ ملے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ خانۂ خدا بنایا تھا دعا کی تھی کہ الٰہی! اس گھر کو امن کا گھر بنائیو، اس واسطے آنحضرت سے بہت پہلے سردارانِ مکّہ نے جمع ہو کر باہم قسما قسمی کی تھی کہ کعبہ کے آداب امن کو بچائیں گے۔ ظالموں سے لڑیں گے، اور ان کو یہاں نہ رہنے دینگے اور مظلوموں کو پناہ دینگے۔

آنحضرتؐ کے زمانہ میں جبکہ آپ جوان تھے، مگر پیغمبر نہ ہوئے تھے، قریش نے پھر اس حلف کی تجدید کا ارادہ کیا، اور ایک مکان میں جمع ہو کر سب نے قسمیں کھائیں اور ادب کعبہ کی حفاظت پر حلف اُٹھائے۔ ان میں آنحضرتؐ بھی شریک تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے (اس وقت جب پیغمبر ہو گئے ہیں) کہ اگر آج کوئی شخص پھر اس حلف کو تازہ کرنا چاہے اور حرمت کعبہ کے واسطے حلف لے۔ تو میں سب سے پہلے حلف اُٹھانے کو حاضر ہوں گا۔

ہندوستان میں ایک انجمن خدّام کعبہ بنی تھی، مگر خبر نہیں، اس کی بُنیاد اسی حلف پر تھی یا کچھ اور مقصد تھا۔

اس حلف کی عربوں میں بڑی عزّت اور قدر تھی، حضرت امام حسینؑ کو جب بنی اُمیّہ نے زیادہ ستایا، تو اُنہوں نے دھمکی دی تھی، کہ میں حلف الفضول (یہ قسما قسمی کا عربی نام تھا) کے لئے لوگوں کو دعوت دے دوں گا۔ اور اس قول کے مشہور ہوتے ہی تمام افسرانِ قوم تلواروں پر ہاتھ رکھ کر جوش میں آ گئے تھے اور کہتے تھے کہ اگر حسینؑ نے اس قدیمی حلف کے لئے پکارا تو ہم سب اس کی حمایت کے لئے کٹ مریں گے۔ اس سے بنی امیہ ڈر کر دب گئے تھے، اور اُنہوں نے حضرت امام حسینؑ سے عارضی صلح کر لی تھی، کربلا کا واقعہ بعد میں ہوا ہے *

لو وہ دولھا بنے

جب آنحضرتؐ کے لقب امینی اور راست بازی کی شہرت عام ہوئی، تو حضرت بی بی خدیجہؓ نے جو مکہ کی بہت دولت مند تاجرہ تھیں، آپ کو مُلک شام میں اپنے غلام میسرہ کے ساتھ بطور ایجنٹ کے بھیجنا چاہا، تاکہ آپ شام میں جاکر ان کا اسباب تجارت فروخت کرآئیں، آنحضرتؐ نے اس کو قبول فرمالیا۔

گویا پیغمبری سے پہلے آپ نے بکریاں چرانا، تجارت اور ملازمت تینوں حصے دکھادیئے، تاکہ اُمت جانے کہ بکریاں چرانی، سوداگری اور نوکری عیب نہیں ہے۔

حضرت بی بی خدیجہؓ کا اسباب لے کر آپ شام تشریف لے گئے، میسرہ غلام آپ کے ہمراکاب رہا۔ وہاں آپ نے بڑی دانائی اور لیاقت سے سوداگری کی، اور بہت اچھے نفع اور دیانت داری کے ساتھ سارا مال فروخت کردیا۔

یہ آنحضرتؐ کا تیسرا سفر تھا۔ جو پیغمبری سے پہلے ہوا۔ اس سفر کے راستہ میں بھی ابر کا سایہ وغیرہ عجائبات پیش آئے، اور اب کے بھی شام کے ایک راہب نے میسرہ غلام سے کہا کہ یہ بڑے پیغمبر ہونے والے ہیں۔

جب سفر سے واپسی ہوئی تو میسرہ نے سارا قصہ حضرت بی بی خدیجہؓ سے بیان کیا، وہ بیوہ تھیں، اور اُن کی دولت کے سبب بہت سے لوگ چاہتے تھے کہ حضرت خدیجہؓ ہم سے نکاح کرلیں، مگر اُنھوں نے کسی کو منظور نہ کیا۔ اور آنحضرتؐ سے خود نکاح کا پیام دیا۔

نفیس دولھا کے پاس پیام لانے والی عورت کا نام بھی نفیسہ تھا، آنحضرتؐ نے اس رشتہ کو حضرت ابوطالب اور اپنے دیگر بزرگوں کے سامنے پیش کیا۔ سب لوگ فوراً راضی ہوگئے، کیونکہ یہ بہت ہی شریف بی بی اور ہر اعتبار سے لائق تھیں۔

جب بات پختہ ہوگئی تو یتیم دولھا کی برات چڑھی، آنحضرتؐ کی عمر ۲۵ سال کی

تھی، اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔

برات میں نہ تاشا تھا، نہ نفیری تھی۔ ڈھول تھے، نہ نقارے تھے۔ سہرا تھا نہ بدھی تھی، آگے آگے گیسوؤں والے حبیب خدا تھے، پیچھے پیچھے آپ کے چچا ابو طالب اور قریش کے سب سردار تھے۔

نبی نوشاہ کا وہ وقت بھی دیکھنے کے قابل ہوگا، فرشتے آسمان پر درود پڑھتے ہونگے۔ خود خدا یَا مُحَمَّدُ صَلَّیْتُ عَلَیْکَ فرماتا ہوگا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اس سادی برات کی سیر دیکھ رہی ہونگی، کہ لو وہ ساری کائنات کا نائب خدا دولھا بنا جاتا ہے۔ پیغمبروں کی روحیں جنتی لباس پہنے جوق جوق ساتھ ہوں گی، کون کہہ سکتا ہے، کون سمجھ سکتا ہے۔ کیا کیا ہوگا۔

غرض برات پہنچی، نکاح ہوا، اور خدا کے محبوبؐ کا خانۂ معیشت آباد ہوگیا۔

آنحضرتؐ کی جتنی اولاد ہوئی، وہ سب حضرت خدیجہؓ سے ہوئی، کل آٹھ بچے ہوئے، چار لڑکیاں، چار لڑکے، لڑکوں کے نام یہ تھے، قاسمؓ، عبداللہؓ، طاہرؓ طیبؓ، لڑکیوں کے نام، فاطمہؓ، زینبؓ، کلثومؓ، رقیہؓ

ایک صاحبزادہ ابراہیم نامی اور ہوئے تھے، مگر وہ حضرت خدیجہ سے نہ تھے، دوسری بی بی سے تھے، جن سے حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد نکاح ہوا تھا، کیونکہ آنحضرتؐ نے حضرت بی بی خدیجہ کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔

آنحضرتؐ نے ایسی عمدگی سے زندگی بسر کی کہ خدا ہر اُمتی کے گھر میں وہی میاں بیوی کا اخلاص پیار اور آپس کی محبت دے۔

اب پہلا حصہ جس کا نام ذکر میلاد یا میلاد نامہ تھا ختم ہوا، یہاں سے دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے، جس کا نام رسول کی بپتی ہے، یعنی پیغمبری ملنے کے بعد سے وفات تک جو واقعات پیش آئے انکا مختصر بیان ہے اور کچھ آپکے اخلاق اور آپکی اچھی عادتوں کا حال ہے۔

میلاد شریف کی محفل کرنے والوں کو چاہئے کہ فضول اور مہمل روایتوں اور غزل خوانی کے بدلے یہ رسولؐ بیتی ذکر میلاد کے بعد سنا کریں، کیونکہ یہی اصل چیز ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان معلوم ہوتی ہے۔ میلاد کا ذکر تو محض ثواب کے واسطے ہے اور اس میں جو آگے آتا ہے۔ ثواب بھی ہے۔ اور پڑھنے سننے والوں کا دینی و دنیاوی فائدہ بھی ہے یعنی آخرت کا اجر بھی اس سے ملے گا اور دنیاوی سچی مسلمانی کا طریقہ بھی ہاتھ آئے گا۔

کچھ بہت بڑا قصہ نہیں، یہ ذکر تو ساری رات سنا جائے بلکہ ساری عمر سنا اور پڑھا جائے تو ایماندار لوگوں کی روحیں بس نہ کہیں۔ میں نے بہت مختصر کر کے ساری بڑی بڑی باتوں کو جو رسالت حاصل ہونے کے بعد آنحضرتؐ کو پیش آئیں لکھا ہے ہیں خصوصاً آپ کے عملی حصہ کو زیادہ کھول کر بیان کیا ہے۔ تاکہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو اور ان طالب علموں کو جو انگریزی اسکولوں میں پڑھنے کے سبب اپنے رسول کی شان سے بیخبر ہیں فائدہ ہو، اور اپنے ہادی اور خدا تک پہنچانیوالے رسولؐ سے واقف ہو جائیں اور ان کے اچھے کام اور عادتیں سنکر ویسے ہی کام اور خصلتیں اختیار کریں۔

دوبارہ تاکید

دیکھو! اے میلاد شریف کی محفل میں شریک ہونیوالے مردو اور عورتو! میں پھر دوبارہ تاکید کرتا ہوں کہ رسولؐ بیتی کو ضرور پڑھنا اس کو جو سنےگا، دونوں جہان کی مرادیں پائیگا، خدا اس کو غیب سے رزق دیگا بے اولاد کو اولاد ملیگی۔ بیماروں کو شفا ہوگی، اور ہر ایک شخص کے دلی مقاصد پورے ہونگے، کیونکہ یہ وہی بیان ہے جس پر تمہاری دنیا اور عاقبت کی بھلائی کا آسرا لگا ہوا ہے۔

اب پڑھو درود:—

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دوسرا حصّہ میلادنامہ

کا

رسولؐ بیتی

اوّل دن سے جس ذات میں عجیب وغریب باتیں دیکھی جاتی تھیں آخر اُس کے پورے ظہور کا وقت بھی آگیا، جب آنحضرتؐ کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو ایسے خواب نظر آنے لگے، گویا صبح کا جھٹ پٹا ہے، اور آپ ساری چیزوں کو اس طرح صاف صاف دیکھ رہے ہیں، جیسے جاگتے میں دیکھا کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں آنحضرتؐ تنہائی کو بہت پسند کرتے تھے یہاں تک کہ پاس کے حرا نامی غار میں کئی کئی دن کا کھانا لیکر چلے جاتے تھے، اور وہاں چپ چاپ اکیلے میں خدا کی یاد کرتے رہتے،

خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے پیغمبری سے پہلے کسی بُت کی پوجا نہیں کی، نہ کوئی ایسا کام کیا جو کافر کیا کرتے تھے خود بخود میرا جی ایک اللہ کو چاہتا تھا اور میں اُس کی یاد کرنے غارِ حرا میں جایا کرتا تھا۔

ایک دن حرا کے غار کے اندر میں چپ چاپ ایک اللہ کے دھیان میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے آواز دی، محمدؐ! تم خدا کے رسول ہو، میں نے حیران ہوکر نظر اُٹھائی تو آسمان زمین کے بیچ میں ایک شخص کو دیکھا، جس نے کہا، میں جبرئیل فرشتہ ہوں، پھر وہ فرشتہ میرے پاس آیا، اور کہا پڑھ! میں نے کہا کیا پڑھوں؟ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تب اُس فرشتہ نے مجھے دبوچ کر تین مرتبہ خوب ہلایا اور کہا پڑھ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

الَّذِی خَلَقَ ط میں نے اقرا پڑھی تو وہ فرشتہ غائب ہوگیا۔ مجھے اس کے ہلانے اور اس عجیب بات کے دیکھنے سے بڑی دہشت ہوئی اور پسینہ آگیا۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑگیا۔ غار سے نکل کر میں اپنی بیوی خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا، مجھے کمل اڑھاؤ، مجھے کمل اڑھاؤ۔ اور سارا قصہ ان سے بیان کرکے کہا، مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے مگر ان ہمت والی بی بی نے کہا، آپ گھبرائیے نہیں، آپ گھبرائیے نہیں، آپ ہر بلا سے محفوظ رہیں گے، کیونکہ آپ تو غریبوں مظلوموں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، جھوٹ کبھی نہیں بولتے، امانت دار ہیں۔ اور اپنے رشتہ داروں سے بھلائیاں کرتے ہیں۔ آپ کو کوئی غیبی آسیب نہیں ستا سکتا۔

پھر وہ مجھ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی مذہب کے تھے۔ اور توریت، انجیل کے عالم تھے، انہوں نے میرا سارا حال سن کر کہا۔ بشارت ہو، تم خدا کے رسولؐ ہو، اور وہ فرشتہ جبرئیل ہے جو حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور سب پیغمبروں کے پاس آیا کرتا تھا۔

اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا۔ جبکہ تمہاری قوم تم کو مکہ سے نکالے گی، تو میں تمہاری دل و جان سے مدد کروں گا۔

میں نے کہا کیا میری برادری مجھ کو گھر سے بھی نکالے گی؟ انہوں نے کہا، بیشک کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا، جس نے آپ کی طرح خدا کا پیام لوگوں سے کہا اور خلقت نے اس کو اذیت نہ دی ہو۔

پرانی کتابوں میں آپ کی بشارت

اوپر راہبوں کا حال پڑھا ہوگا، جنہوں نے آپ کو بچپن میں دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اور اب ورقہ بن نوفل نے بھی فوراً کہہ دیا کہ آپ رسولؐ خدا ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگلے وقتوں کی سب مذہبی کتابوں میں آنحضرتؐ کے رسولؐ

ہونے کی خبریں لکھی ہوئی تھیں، اور سب پیغمبروں نے بتا دیا تھا کہ نبی آخرالزماں آنے والے ہیں۔ جن کا حلیہ یہ ہوگا، یہ کام ہونگے، انہی بشارتوں کو دیکھ کر جو منصف مزاج تھے، وہ آپ کو مان لیتے تھے، جو ضدی تھے وہ نفسانیت میں آن کر انکار کر دیتے تھے، اور آپ کو جھٹلاتے تھے، توریت و انجیل میں تو خیر سب جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا صاف ذکر موجود ہے۔ ہمارے ہندوستان میں جو ہندوؤں کے بڑے بڑے اوتار ہوئے ہیں، انہوں نے بھی آنحضرتؐ کی خبر دی ہے۔

چنانچہ کلکی پوران میں جو ہندوؤں کی معتبر کتاب ہے جس میں کرشن جی کی طرف سے اُن خبروں کا حال ہے، جو آخر زمانہ میں پیش آئیں گی، لکھا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک اوتار پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش شمبل دیپ میں ہوگی شمبل دیپ سے ہمارے ملک کے ہندو سنبھل مراد آباد خیال کرتے ہیں کہ وہ اوتار وہاں پیدا ہوگا۔ مگر سنسکرت لغت کی کتابوں میں شمبل دیپ کے معنی ملک عرب کے ہیں۔ مشہور انگریز سنسکرت داں پروفیسر میکس مولر نے بھی یہی معنی شمبل دیپ کے لکھے ہیں یعنی انہوں نے شمبل دیپ کو عرب لکھا ہے۔

کلکی پوران میں آگے بڑھ کر لکھا ہے کہ اس اوتار کی ماں کا نام اُمتی ہوگا۔ اُمتی کے معنی امانت دار کے ہیں۔ آنحضرتؐ کی والدہ کا نام آمنہ تھا، جس کے معنی امانت دار کے ہوتے ہیں۔

پھر لکھا ہے کہ اوتار کے باپ کا نام وشنو داس ہوگا۔ وشنو کے معنی ہیں اللہ اور داس کے معنی ہیں غلام، سو آنحضرتؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ کے معنی عربی میں اللہ کے غلام کے ہیں۔

پھر کلکی پوران میں لکھا ہے کہ یہ اوتار پہلے پہاڑ کے غار میں خدا کی بندگی کریگا۔ وہاں خدا اس کو سبق دیگا۔ پھر اس کو اپنے گھر والوں سے تکلیف ہوگی اور یہ مجبوراً ان سے

جدا ہو کر شمالی پہاڑوں میں چلا جائے گا۔ اس اوتار کے چار بھائی ہوں گے جو اس کے دھرم (دین) کو سارے جہان میں پھیلائیں گے۔ اس اوتار کی ایک بیوی بڑی خوبصورت سرخ رنگت کی ہوگی۔

ان سب باتوں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا، کہ پہاڑ کے اندر بندگی سے مُراد غارِ حرا ہے اور خدا کا سبق یہی اقرأ ہے جس کا حال میں نے ابھی لکھا ہے، اور شمالی پہاڑوں میں جانا ہجرت ہے جو مکہ سے مدینہ کو ہوئی، اور چار بھائی چاروں اصحاب ہیں۔ جنہوں نے دین اسلام کی اشاعت کی۔ اور لال رنگ کی خوبصورت بی بی حضرت عائشہ رضؓ ہیں۔

کلکی پوران میں اس کے علاوہ بہت مفصل اور پورا بیان ہے۔ میں طوالت کے سبب فقط اتنا ہی لکھتا ہوں، آخر میں سری کرشن جی نے فرمایا ہے:۔

"اے لوگو! جب اس اوتار کا ظہور ہو، تو تم اس کے قدموں میں اپنے سر رکھ دینا، کیونکہ نجات اور ہدایت اسی کے پاس سے ملیگی۔"

انہی بشارتوں اور پیغمبروں کی خبروں اور آنحضرتؐ کی پیدائش کے بعد عجیب وغریب باتوں کے پیش آنے کی نسبت ایک نظم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی یہاں نقل کرتا ہوں۔

خلیلِ حق کی جو تھی اشارت　　اور ابن مریم کی جو بشارت
ظہورِ احمدؐ سے تھی عبارت　　سمجھ گئے صاحب بصارت
کہ اب گری کفر کی عمارت　　گھٹے کی فارس کی اب حرارت
مٹے گی روما کی اب شرارت　　لٹے گی اب مصر کی عمارت
خزانہ ہرقل کا ہوگا غارت　　بڑھے گا تقویٰ بھی اور طہارت

صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر
اور اس کی سب آلِ باصفا پر

وہ علم و حکمت سکھانے والا
پیام حق کا وہ لانے والا
کلام حق کا سنانے والا
عذاب حق سے ڈرانے والا
وہ رسم بد کا چھڑانے والا
وہ جہل و بدعت مٹانے والا
وہ بت پرستی اٹھانے والا
وہ سیدھا رستہ بتانے والا
خدا پرستی سکھانے والا
وہ عاصیوں کا بچانے والا
مقام محمود پانے والا
وہ بیت اقصیٰ کا جانے والا

صلوٰۃ اس پر سلام اس پر
اور اس کی سب آلِ باصفا پر

نبی اُمّی لقب ہے اس کا
نسب میں خورشید ہاشمی تھا
نہ کچھ کسی سے پڑھا نہ لکھا
وہ اَن پڑھوں میں ہوا تھا پیدا
نہ اس کے سر پہ پدر کا سایا
نہ اس کو استاد نے پڑھایا
کہ اس پہ روح الامین آیا
کلام ربی اسے سکھایا
وہ بحرِ اعظم تھا علم حق کا
نہ تھا وہ محتاج علم اشیا
اسے تھا مکشوف رمز اولے
اسے تھا معلوم سرِّ اُخرے

صلوٰۃ اس پر سلام اس پر
اور اس کے سب آلِ باصفا پر
اور اس کے اصحاب باصفا پر
اور اس کے احباب اتقیا پر

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

سب سے پہلا مسلمان

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ پر سب سے پہلے آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں، گویا پہلی مسلمان ایک عورت ہوئیں، اور دینِ اسلام پیغمبر خدا کے گھر میں سب سے پہلے

ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ہمارے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور ہمارے گناہوں کی خبر ان کو دی جاتی ہے تو بہت رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنی امت کی بھلائی کے عاشق زار ہیں، وہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کی امت برے کام کرکے دوزخ میں جائے اور قیامت کے دن کالے منہ ہو کر اٹھے۔

پس جب ہمارے رسولؐ کو ہمارا ایسا خیال ہو تو ہم کو بھی چاہئے، کہ اپنے محبت کرنے والے پیغمبر خدا کو ہمیشہ یاد رکھیں، اور ہو سکے تو آٹھویں دن ورنہ ایک مہینہ یا ایک سال میں تو ضرور ان کا ذکر خیر کیا کریں، ان کی اچھی باتیں سنیں، ان سے جی لگائیں اور جہاں تک ہو سکے ان کی پیروی کریں، جن باتوں کا انہوں نے حکم دیا ہے ان کو مانیں، جن سے منع کیا ہے ان کو نہ کریں۔

میلاد شریف کی محفلیں اصل میں اسی ذکر خیر کے لئے ہیں، تاکہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑوں، عورت، مردمیں اپنے ہادی رسولؐ کی یاد قائم رہے۔

میلاد شریف کی مجلسیں ساری دنیا میں ہوتی ہیں، ہر قوم اور ہر فرقہ اور ہر شخص اپنی اپنی بساط کے موافق ایسی بزم کرتا ہے جس میں آنحضرتؐ کا ذکر خیر ہو۔

اگرچہ آج کل کچھ لوگ میلاد کے مخالف بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کو وہابی کہا جاتا ہے، مگر یہ مخالف ذکر رسولؐ کو منع نہیں کرتے۔ یہ ان باتوں کو روکتے ہیں۔ جو بعض لوگوں نے میلاد کی مجلسوں میں خلاف شرع اور خلاف حکم اسلام شامل کر دی ہیں۔

اکثر جگہ میلاد کی مجلس برادری کی رسم بن گئی ہے کسی کے پاس پیسہ نہ ہو تو وہ سودی قرض لیکر میلاد پڑھواتا ہے اور اپنی [illegible] لئے فضول روشنی اور کھانے دانے اور مٹھائی وغیرہ [illegible]

قبول کیا گیا، ان کے بعد آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی، حضرت علیؓ ایمان لائے اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہوئے۔

آنحضرتؐ پر پہلی وحی دوشنبہ کے دن یعنی پیر کو نازل ہوئی تھی، اس کے بعد کچھ دن تک نہ آئی، تو آنحضرتؐ کو بڑا غم ہوا، یہاں تک کہ آپ نے خودکشی کرنے کا ارادہ کیا، اس وقت پھر جبرئیل آئے اور آپ کو وضو کرنا سکھایا اور نماز کی تعلیم کی، پہلے آنحضرتؐ نے خود وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے نماز پڑھوائی۔

گویا اسلام میں جو چیز سب سے پہلے فرض ہوئی وہ نماز ہے، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں اسی زمانہ میں جب آنحضرتؐ نئے نئے پیغمبر ہوئے ہیں مکہ آیا تھا، ایک دن کعبہ کے سامنے بیٹھا حضرت عباسؓ سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں دیکھا، ایک شخص نے کعبہ کے پاس آکر عجیب قسم کی عبادت کی، جو پہلے میں نے کسی عرب کو کرتے نہ دیکھی تھی، اس کے بعد ایک عورت آئیں اور انہوں نے بھی ویسی ہی عبادت کی، پھر ایک نوجوان لڑکا آیا اور وہ بھی عبادت کرنے لگا۔ تو میں نے عباس سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ میرے بھائی عبداللہ کا لڑکا محمدؐ ہے، عورت اس کی بیوی خدیجہؓ ہے، اور لڑکا میرے بھائی ابوطالب کا فرزند علیؓ ہے، یہ ان لوگوں کی نماز ہے، محمد کہتے ہیں، کہ ان کو خدا نے رسولؐ بنا کر ساری دنیا کے لئے بھیجا ہے۔ اور بادشاہِ روم، قیصر، اور بادشاہِ ایران کسریٰ کے سب خزانے ان کو ملیں گے۔ ابھی تک ان پر صرف ان کی بیوی اور یہ بھائی ایمان لائے ہیں، اور یہ ڈھائی آدمی نماز پڑھنے آیا کرتے ہیں۔

اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر یوں نہیں آیا کہ وہ الگ گھر میں رہتے تھے، اور اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ نماز میں شریک نہ تھے اور شاید حضرت عباسؓ کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہوگی، جو انہوں نے صرف تین کو مسلمان کہا۔

ورنہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے، خدا کی شان ہے، جس دین کی ابتدا اسی کمزور تھی، ایک دن ایسا آیا کہ وہ دین سارے جہان میں پھیل گیا۔ اور کروڑہا کروڑ آدمیوں نے کعبہ کے رُخ خدا کو سجدہ کیا، اور نمازیں پڑھیں۔

ہر شخص جگ بیتی اور آپ بیتی سُنتا اور سُناتا ہے، مگر رسولؐ بیتی کے بیان میں عجب مزا ہے۔ ذرا سننا یہاں وہ قصہ شروع ہوتا ہے جس کو رسولؐ بیتی کہنا چاہئے۔

جب تک آنحضرتؐ خود نماز پڑھتے رہے اور یونہی معمولی طور سے لوگوں کو اپنے دین میں بلاتے رہے، کسی نے کچھ نہ کہا، مگر جب آپ کو خدا نے حکم بھیجا کہ پہلے اپنے خاندان والوں کو نصیحت کرو اور شرک سے بچاؤ، تو آپ نے اپنے کنبہ کے سب چھوٹے بڑوں کو دعوت دی اور اپنی پیغمبری کا پیام ان سے کہا، اور خدا کے عذاب سے ڈرایا مگر آپ کے چچا ابولہب بڑے شریر اور سنگدل تھے، انہوں نے آپ کو بُرا بھلا کہا اور ساری برادری کو بہکا کر اور اٹھا کر لے گئے۔ کسی نے آپ کی بات نہ مانی۔ اس پر خدا نے سورۂ تبّت نازل کی جس میں ابولہب پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے۔

معراج

اسی زمانہ میں آپ کو معراج ہوئی، یعنی آپ خدا کی قدرت اور طاقت سے ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس گئے اور وہاں سے آسمان پر فرشتے ان کو لے گئے، جہاں انہوں نے دوزخ جنت کی سیر کی، اور سب پیغمبروں کی ارواح سے ملاقات ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی نزدیکی خاص بھی حاصل ہوئی، وہیں آپ کو رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا اور اُمت کو پڑھوانے کا حکم ملا۔

صبح کو آپ کعبہ کے سامنے مغموم اور فکرمند بیٹھے تھے کہ اگر معراج کا واقعہ لوگوں سے کہتا ہوں تو خلقت مذاق اڑائے گی، نہیں کہتا تو خدا کا حکم کیونکر پہنچے گا۔

آپ اسی فکر میں تھے کہ مشہور شریر کافر ابوجہل ادھر سے گزرا اور اُس نے مسخرہ پن سے کہا

کہو محمدؐ! آج رات کو بھی کچھ خدا کا حکم ملا، اور نئی بات دیکھی؟
آپ نے فرمایا، ہاں، اور معراج کا قصہ بیان کیا، اس پر ابوجہل نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ایک ہی رات میں تم بیت المقدس گئے، ساتوں آسمانوں کی سیر بھی کی، دوزخ جنت بھی دیکھی اور پھر اُلٹے بھی آ گئے؟

آپ نے فرمایا، ہاں ایسا ہی ہوا، تو اُس نے آپ کا مذاق اڑانے کو آوازیں دینی شروع کیں، کہ لوگو! دوڑو، جلدی آؤ، محمدؐ کی ایک عجیب بات سنو، جو تم نے پہلے کبھی نہ سُنی ہوگی۔ کیوں نہ ہو بنی ہاشم میں ایسے ہی سچے ہوتے ہیں۔

خلقت جمع ہو گئی۔ جس نے سُنا، آپ پر آوازہ کشی کی، اور جھوٹ سمجھا، یہاں تک کہ جو لوگ ادھ کچرے مسلمان بھی ہو گئے تھے، معراج کا حال سنکر وہ بھی آپ سے پھر گئے اور کہا عجیب عقل کے خلاف باتیں ہیں۔

اسی اثنا میں ابوجہل حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑا ہوا گیا، اور کہا گھر میں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو، چلو اپنے یار محمدؐ کی نئی بات سُنو، وہ ایک رات میں سب آسمانوں کی سیر کر آئے۔

حضرت ابوبکرؓ بولے، اگر وہ اس سے بھی زیادہ خلاف قیاس اور خلاف عقل کوئی بات کہیں گے تو میں اس کو بھی مان لونگا، وہ سچے ہیں اور ضرور آسمانوں پر گئے ہونگے۔

کافروں نے مل کر ان پر بھی پھبتیاں اڑائیں، مگر آنحضرتؐ نے ان کی تصدیق کی خبر سُنی تو صدیق رضؓ کا خطاب دیا۔ اسی دن سے ان کے نام کے ساتھ لفظ صدیق شامل ہو گیا۔ جو آج تک قائم ہے۔ خدا ان صدیق سے راضی ہو، اور اپنی رحمت ان پر نازل فرمائے۔

بنی ہاشم اور ابوطالب کی مدد

جب آنحضرتؐ نے کُھلم کُھلا بتوں کو بُرا کہنا شروع کیا، تو کفار جمع ہو کر حضرت

ابو طالب کے پاس آئے، اور کہا۔ اپنے بھتیجے کو منع کرو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ ابو طالب نے ان سے نرمی کی بات چیت کرکے ٹال دیا۔

ایک دن آنحضرتؐ نے پھر کنبہ والوں کو بلاکر کھانا کھلایا اور کہا میں تم سے بہت اچھی بات کہتا ہوں۔ اس کو مان لو۔ تمہارا اس میں بڑا نفع ہے، کون ہے جو تم میں میرا نائب اور وزیر بننا چاہتا ہے؟ اس پر حضرت علیؓ نے کہا، میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ آپ نے حضرت علی کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور فرمایا تو میرا وزیر ہے۔

یہ دیکھ کر سب لوگوں نے قہقہہ لگایا، اور ابو طالب سے کہا، اپنے بیٹے علیؓ کی وزارت مبارک ہو، دیکھو اب ان کا حکم مانا کرو، اور سب ہنستے ہوئے اٹھ کر چلے گئے

کچھ مدت کے بعد کافر پھر جمع ہو کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور اُن سے کہا، تمہاری حمایت کے سبب اب تک ہم خاموش ہو جاتے تھے، مگر اب ہم سے اپنے بتوں کی مذمت نہیں سُنی جاتی۔ یا تو محمدؐ کو روکو، ورنہ تم جانو، جو کچھ ہم سے ہو سکے گا کریں گے۔

پہلی دفعہ ابو طالب نے آنحضرتؐ سے کہہ دیا تھا کہ بیٹا تم اپنے کام سے کام رکھو، کسی بات کا فکر نہ کرو۔ میں سب دشمنوں سے بھگت لوں گا۔ مگر آج انہوں نے آنحضرتؐ کو بلاکر اس طرح نصیحت کی کہ آپ نے سمجھا کہ چچا اپنے قول سے پھر گئے۔ اس واسطے آنحضرتؐ کو بے اختیار رونا آگیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ چچا جان! اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے، تب بھی میں اپنی بات سے نہ پھرونگا، آپ مجھ کو چھوڑتے ہیں، چھوڑ دیجئے، میرا وارث خدا ہے، یہ کہہ کر روتے ہوئے چچا کے پاس سے اٹھ کر چلنے لگے۔ تو حضرت ابو طالب نے روکا اور کہا:۔

اچھا میاں جاؤ! کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، جب تک تمہارے چچا کا دم میں دم ہے تم کو کوئی شخص آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔ سب کو بکنے دو اور جو حکم تم کو خدا نے دیا ہے

اس کو نڈر ہو کر لوگوں سے کہو۔

جب حضرت ابو طالب پکے ہوئے تو تمام بنی ہاشم نے سوائے ابولہب کے کہا کہ گو ہم مسلمان نہیں ہوئے ہیں، اور محمدؐ پر ایمان نہیں لائے، مگر ہم سب اس کا ساتھ دیں گے، اور اس کے دشمنوں کو اپنی تلواروں سے روکیں گے۔

حضرت ابو طالب بنی ہاشم کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور آنحضرتؐ کو ان کی یہ مستعدی اور حق کی حمایت معلوم ہوئی تو آپ نے بھی بنی ہاشم کے فضائل بیان کئے اور ان کی تعریف کی۔

حضرت ابو طالب اور بنی ہاشم کی حمایت کے سبب آنحضرتؐ کی ہمت بندھ گئی۔ اور آپ نے زور شور سے وعظ و نصیحت کا کام شروع کر دیا۔

ایک دن آپ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ کفار نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا آپ نے صبر فرمایا، جب تیسرا چکر کعبہ کے طواف کا آپ لگا چکے اور کفار برابر بیہودہ باتیں بکتے رہے، تو آپ کو جوش آگیا، اور ہاشمی حرارت میں آکر آپ نے ایک دفعہ ہی ان کی طرف رُخ کیا، اور فرمایا، کیا بکتے ہو۔ میں تم میں سے ایک ایک کو ذبح کر ڈالونگا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ سب کے سب دم بخود ہو گئے، اور اکیلے آدمی کی اتنے بڑے گروہ پر ایسی ہیبت چھائی کہ خوشامد اور عاجزی کرنے لگے، اور کہا جانے دیجئے۔ ہم سے غلطی ہوئی۔

غریب مسلمانوں پر ستم

جو بچارے مسلمان ہو گئے تھے، اُن پر روزانہ ظلم و ستم کئے جاتے تھے، مگر وہ بات کے پورے حق سے نہ پھرتے تھے۔ ان میں حضرت بلالؓ۔ حضرت صہیبؓ وغیرہ وغیرہ چند لوگوں پر تو از حد ستم توڑے جاتے تھے،

حضرت بلالؓ ایک کافر کے غلام تھے، وہ اُن کو جلتی زمین پر باندھکر ڈال دیتا

اور کوڑے مار مار کر کہتا، اسلام سے ہاتھ اُٹھا، اور محمدؐ کو گالیاں دے، مگر یہ اللہ احد اللہ واحد، ایک اللہ، ایک اللہ کے نعرے مارے جاتے، اور مار کھانے کی ذرا پرواہ نہ کرتے، ان کی طرح اور کئی غلام لونڈیاں مسلمان ہوگئی تھیں۔ اور ان پر بھی حضرت بلالؓ کی طرح ظلم ہوتے تھے، آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سب نومسلم لونڈی غلاموں کو منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیا، اور پھر آزاد کر دیا، اور اس طرح ان کی جان عذاب کفار سے چھٹی۔

بہت سے مسلمان آنحضرت کے حکم سے نجاشی بادشاہ ملک حبش کے پاس چلے گئے تھے، کیونکہ وہ مسلمان ہوگیا تھا، اور مسلمانوں کو پناہ دیتا تھا۔

حضرت حمزہؓ کا اسلام

انہی سختی کے دنوں میں ایک دن آنحضرتؐ کعبہ کے پاس بیٹھے، اللہ اللہ کر رہے تھے، کہ ابوجہل آیا، اور اس نے خواہ مخواہ آپ کو مغلظات گالیاں دیں، اور مذاق اُڑایا، آنحضرتؐ آسمان کو دیکھ کر اور آنکھوں میں آنسو بھر کر چپ ہوگئے، اور صبر کر کے گھر تشریف لے آئے، اس وقت بنی ہاشم کی ایک لونڈی اپنے دروازہ پر کھڑی تھیں، انہوں نے یہ سب کیفیت دیکھی۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت کے سگے چچا شکار کو گئے ہوئے تھے، ان کی قوم میں بڑی عزت تھی، کیونکہ وہ نہایت بہادر اور عقلمند آدمی تھے، جب وہ شکار سے تیر کمان لئے ہوئے واپس آئے تو لونڈی نے ان سے کہا کہ آج ناحق ابوجہل نے تمہارے بھتیجے محمدؐ کو گالیاں دیں، اور آنحضرت روتے ہوئے خاموش گھر چلے گئے۔

حضرت حمزہؓ کو یہ خبر سنکر بڑا غصہ آیا، اور اسی وقت کمان لیکر کعبہ میں آئے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا۔

اور اس سے کہا۔ کیوں بے ادب! تیری شرارت حد سے بڑھتی جاتی ہے، تو نے

سمجھ لیا ہے کہ بنی ہاشم مر گئے ہیں، اور اُن میں کچھ طاقت نہیں رہی، جو تو محمدؐ کو بے گناہ گالیاں دیتا ہے، یاد رکھ ہم محمدؐ کے حمایتی ابھی زندہ ہیں۔ اور تجھ جیسے سب دشمنوں کو کچل ڈالنے کی ہم میں طاقت موجود ہے، یہ کہہ کر کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا، یہ دیکھ کر اس کی برادری والے حضرت حمزہ پر تلواریں لیکر لپکے، مگر ابوجہل نے ان کو منع کیا، اور کہا کچھ نہ کہو، بیشک غلطی میری تھی، اور میں نے واقعی محمدؐ کو گالیاں دی تھیں۔

پھر حمزہؓ نے کہا، لو سنو میں مسلمان ہوتا ہوں، اور اسی وقت کلمہ پڑھ لیا، ابوجہل کو اپنے زخم کا اتنا صدمہ نہ ہوا تھا، جتنا حمزہؓ کے اسلام لانے سے ہوا، کیونکہ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہوتے ہی اسلام میں ایک جان پڑ گئی، اور مسلمانوں کی کمریں مضبوط ہو گئیں۔

اب تک کفار کے سامنے کوئی شخص پکار کر قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا تھا، ایک دن صلاح ہوئی کہ کوئی مسلمان جا کر کفار کے آگے قرآن آواز سے پڑھے، حضرت ابن مسعودؓ نے کہا میں جاتا ہوں، میں پڑھونگا، لوگوں نے کہا نہیں ایسا آدمی جانا مناسب ہے جس کے خاندان والے بہت سے ہوں تاکہ اگر کافر حملہ کریں تو اس کی برادری والے بچالیں۔

ابن مسعود نے کہا کچھ ڈر نہیں، میرا خدا مجھ کو بچائے گا۔ اس کے راستہ میں مار کھانی بڑے ثواب کا کام ہے۔ یہ کہہ کر وہ کعبہ کے سامنے آئے، جہاں کفار جمع تھے، اور سورہ الرحمٰن بلند آواز سے پڑھنی شروع کی، کافروں نے اٹھ کر ان کو خوب مارا مگر یہ مار کھاتے رہے اور پڑھتے رہے، پڑھنا نہ چھوڑا، یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے۔

مسلمان دوڑے ہوئے آئے، اور اُن کو اٹھا کر آنحضرت کے پاس لیگئے آپ نے فرمایا مجھے یہی اندیشہ تھا، ابن مسعودؓ نے کہا، جی نہیں، کچھ فکر نہیں ہے۔ میں کل پھر جا کر اُن کو قرآن سناؤں گا۔

حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا

کفار میں سب سے زیادہ منہ زور اور آنحضرتؐ کے دشمن ابوجہل اور حضرت عمرؓ تھے،

آنحضرتؐ نے ایک روز دعا کی کہ الٰہی! ان دونوں میں سے ایک کو مجھے دیدے، اور مسلمان کردے، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے۔

ان کی بہن پہلے مسلمان ہوگئی تھیں، یہ ان کو سزا دینے گھر گئے تھے، وہاں اُن کو قرآن سنایا گیا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور تلوار گلے میں ڈال کر آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوئے، مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کو تلوار لئے ہوئے آتے دیکھا تو دروازہ بند کرلیا، آنحضرتؐ نے فرمایا کھول دو، اس کو اندر آنے دو۔ اور جب حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان کو پکڑ کر ہلایا، اور فرمایا کس ارادہ سے آیا ہے؟ اور کب تک خدا و رسول سے لڑتا رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی، حضور مسلمان ہونے آیا ہوں، یہ کہہ کر کلمہ پڑھ لیا۔ مسلمانوں نے اور آنحضرت نے زور سے تکبیر کہی، اور بڑی خوشی منائی۔

اس وقت تک مسلمان چھپکر نماز پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو عرض کی چلئے کھلم کھلا نماز پڑھئے، میں ہر دشمن کو دیکھ لوں گا، چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار لیکر آگے ہوئے، اور آنحضرتؐ مسلمانوں کو لیکر پیچھے پیچھے چلے، حضرت عمرؓ کہتے جاتے تھے، سنو، عمرؓ مسلمان ہوگیا ہے اور نماز پڑھنے جاتا ہے جس کو اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنانا ہو، سامنے آئے، اور مجھے روکے، کافر حضرت عمرؓ کو دیکھ کر کترا کترا کر چلے گئے اور اُس دن خوب دھوم دھام سے علانیہ نماز و اذان ہوئی،

مسلمانوں کا بائیکاٹ

تم نے سُنا ہوگا، بائیکاٹ انگریزی زبان میں کسی چیز کے چھوڑ دینے کے عہد کو کہتے ہیں، جیسے ایک زمانہ میں ہندوستانیوں نے عہد کیا تھا کہ اپنے دیس کی بنی ہوئی چیزیں خریدا کریں گے، پرائے ملکوں کی چیزوں کو بائیکاٹ کرینگے یعنی ان کو نہ خریدیں گے۔

اسی طرح مکہ کے کفار نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بڑے لوگ مسلمان ہو گئے، اور اب دن بدن اسلام بڑھتا جاتا ہے، اور ہم کچھ بندوبست نہیں کر سکتے، تو انہوں نے آپس میں صلاح کر کے عہد کیا کہ مسلمانوں اور بنی ہاشم کو جنہوں نے محمدؐ کی مدد پر کمر باندھی ہے، بائیکاٹ کر دو، نہ ان لوگوں سے کوئی شادی بیاہ کرے نہ ان کی شادی غمی میں شریک ہو، نہ ان سے میل جول رکھے، نہ ان کے ہاتھ کھانے پینے یا برتنے کی کوئی چیز فروخت کی جائے۔

جیسے ہمارے ہاں دیہات میں برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے، وہی حال وہاں ہوا، بلکہ یہ زیادتی تھی کہ کھانے پینے برتنے کی چیزیں بھی بند کر دی گئی تھیں۔

آنحضرتؐ اور مسلمان تو خیر ان کے خیال میں قصور وار تھے، مگر بچارے بنی ہاشم پر بھی نزلہ گرا، حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے،

حضرت ابوطالب بھی زندہ تھے، ان کو اس بائیکاٹ کا مطلق فکر نہ ہوا، اپنے خاندان اور مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے رہنے لگے۔

حد ہے، لگاتار تین برس یہ بائیکاٹ رہا مسلمانوں اور بنی ہاشم کو غلہ نہ ملتا تھا، نہ کپڑا میسر آتا تھا، نہ کوئی اور چیز دستیاب ہوتی تھی، مسلمان دور دور کی آبادیوں سے جا کر سامان لاتے تھے، اور ایسا بھی ہوتا تھا، کہ کفار میں بعض لوگ جو دل میں آنحضرتؐ سے محبت رکھتے تھے، مگر ڈر کے مارے ظاہر نہ کر سکتے تھے، وہ چپکے سے اونٹ پر کھانا اور کپڑا لاد کر مسلمانوں کی بستی کی طرف اونٹ کو اکیلا ہانک دیتے تھے، اونٹ بستی میں آ جاتا اور مسلمان اس پر سے کھانا کپڑا اتار لیتے، تاہم یہ تین برس بڑی سختی اور مصیبت کے گزرے۔

آخر کافروں میں پھوٹ پڑی، اور جو لوگ دل میں بنی ہاشم اور آنحضرتؐ سے

محبت رکھتے تھے، انہوں نے پوشیدہ جمع ہو کر صلاح کی کہ اس عہد کو توڑ دینا چاہئیے، جن دنوں انہوں نے مشورہ کیا، انہی دنوں میں آنحضرت صلعم کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بائیکاٹ کا عہدنامہ جو کعبہ کے دروازے پر لٹکا ہوا ہے، اس کو اندر سے دیمک کھا گئی، اور اب اس میں ایک حرف بھی باقی نہیں رہا، فقط اللہ کا نام بچا ہے، کیونکہ کفار بھی اپنے کاغذات میں پہلے اللہ کا نام لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابوطالب نے اس وحی کا حال سنا تو آپ قریش یعنی کفار کے پاس آئے، اور ان سے کہا، میرے بھتیجے محمدؐ کو خدا نے یہ خبر دی ہے کہ عہدنامہ کے حروف کو دیمک کھا گئی صرف خدا کا نام اس نے چھوڑا ہے۔

لہذا اس عہدنامہ کو اتار کر دیکھو، اگر واقعی اس کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور خدا کا نام باقی ہے، تو ثابت ہوگا کہ محمدؐ سچا ہے، اور تم ظالم اور جھوٹے ہو، جو سچے پر یہ ستم توڑ رکھا ہے، اور اگر عہدنامہ ٹھیک ہوا، اور دیمک نے اسے نہ کھایا ہوگا تو ہم سزاوار ثابت ہو جائیں گے۔

کفار نے کہا اچھا، وہ اٹھے اور عہدنامہ کو اتار کر کھولا، جب کاغذ کی تہ کھلی تو واقعی ایک حرف بھی اس میں باقی نہ تھا۔ صرف یہ رہ گیا تھا۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ (تیرے نام کے ساتھ اے خدا)

اب تو حضرت ابوطالب کی جرأت بڑھ گئی، اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا، دیکھا میرے بھتیجے کا معجزہ، بیشک وہ سچا ہے، اور تم ناحق پر ہو، اس کے بعد انہوں جوش میں اشعار پڑھے، جن میں آنحضرتؐ کی حقانیت اور سچے ہونے کا ذکر تھا، ان اشعار کے مضمون اور حضرت ابوطالب کی سالہا سال کی خدمت وحمایت اسلام سے بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ مسلمان تھے، مسلمان نہ بھی تھے، تب بھی ان کے یہ اعمال ہم جیسے مسلمانوں سے تو لاکھ درجہ بڑھ کر تھے۔

بے شک بُری ہے، ذکرِ رسولؐ کی محفل میں اپنی ناک اور عزت کے لئے سودی روپیہ لگانا حرام ہے۔ اور بڑا گناہ ہے۔

بعض شہروں میں رواج ہو گیا ہے کہ میلاد خواں اندر بیٹھے گایا کرتے ہیں اور باہر لوگ حقے بجاتے ہیں۔ سگرٹ کے دھوئیں اُڑاتے ہیں۔ غپ شپ میں مصروف رہتے ہیں، گویا وہ لوگ مٹھائی کے لالچ یا محفل کرنے والے کی خاطر سے آ جاتے ہیں۔ بیانِ رسول سے اُنہیں کچھ مطلب نہیں ہوتا۔

ایسے لوگوں پر خدا کی پھٹکار پڑتی ہے، وہ قہرِ خدا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ساتھ میں محفل کرنے والا بھی خدا کے غضب میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور گنہگار بنتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اتنے بڑے رسولؐ کے ذکر پر کان نہ دھرے اور دنیاوی شادیوں کی طرح تھوڑی دیر ہنس بول کر چلے گئے۔

ایسی مجلسیں بمبئی میں بہت ہوتی ہیں۔ خدا بچائے اپنے قہر سے۔ اور یہ خطا کسی مسلمان سے نہ ہو۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہو گئی ہے۔ کہ پیشہ ور میلاد خوانوں نے محفلوں میں غلط اور جھوٹی روائتیں پڑھنے کا دستور بنا لیا ہے۔ اوّل تو بالکل بے سرو پا قصّے بیان کرنے گناہ ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ پیغمبرِ خدا کی نسبت غلط روایت کہنا تو گویا جہنم میں گھر بنانا ہے۔ حضورؐ نے خود فرمایا ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مجھ سے جھوٹا واقعہ منسوب کرے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ان غلط روائیتوں کے ساتھ بیہودہ اور نفسانی عاشقی کے اشعار اس جناب عالی مقام کی شان میں ڈوموں کی طرح گائے جاتے ہیں۔ توبہ توبہ بازاری عورتوں کی طرح ان کی شان میں عشقیہ غزلیں پڑھی جاتی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ آنحضرتؐ سے ہر اُمتی کو عشق ہونا چاہیئے اور اشعار پڑھنے اور ان کے ساتھ محبت ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ بہت اچھی بات ہے۔

القصہ کفار یہ معجزہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور بولے کہ بھئی بنی ہاشم تو جادو کرنے میں بڑے ہی اُستاد ہیں۔

اب جن لوگوں نے باہم صلاح کی تھی، کہ اس عہد نامہ کو توڑ ڈالیں گے اُن میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اُس نے کہا میں اس عہد سے دست بردار ہوتا ہوں۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا، اور اُس نے بھی یہی کہا۔ تیسرا کھڑا ہوا، چوتھا اُٹھا، غرض پے در پے بہت سے آدمیوں نے کھڑے ہو کر اس عہد کی مخالفت کی، پھر کیا تھا، کفار ذلیل ہو کر ہکے بکے رہ گئے اور تین سال کے بائیکاٹ کی دھجیاں اُڑ گئیں۔

پھر بپتا

اس پریشانی سے نجات ملی اور خرید و فروخت جاری ہوئی تو دوسری بپتا کا سامنا ہوا، یعنی حضرت ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضؓ کا انتقال ہو گیا، آنحضرتؐ کو گھر میں ان بیوی سے اور باہر اپنے چچا ابو طالب سے بڑا سہارا تھا، ان دونوں کی رحلت کرنے سے آپ پر دنیاوی مشکلات کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جو کفار حضرت ابو طالب کے خوف سے اب تک زیادہ جرأت ستانے کی نہ کرتے تھے، وہ اب ایک دم سب کے سب آزار دہی پر آمادہ ہو گئے۔

آنحضرتؐ اور مسلمان بازار میں نکلتے تو اُن پر آوازہ کشی ہوتی کہ دیکھنا بھئی روم و ایران کے بادشاہ سلامت جاتے ہیں، ذرا خیال کرنا، خدا نے بھی کیا چھانٹ کر اپنا پیغمبر بنایا ہے، ان میں کوئی بات بھی پیغمبری کی ہے۔

یہ باتیں کرتے اور ہاتھ پاؤں سے بھی اذیت دیتے، پتھر مارتے، آنحضرتؐ نماز پڑھتے ہوتے تو اونٹ کا پیٹھ یعنی اوجھڑی سجدہ کی حالت میں آپ کی پشت پر رکھ دیتے، جس کے بوجھ کے سبب آپ اٹھ نہ سکتے، جب تک حضرت بی بی فاطمہ رضؓ یا اور کوئی آ کر اس غلاظت کو پیٹھ سے نہ اُتار لیتا۔

آپ راستہ چلتے ہوتے تو خاک مٹی اور گندگی آپ پر پھینکی جاتی، آپ کے راستہ

میں کانٹے بچھائے جاتے، غرض رات دن آپ اور سب مسلمان یہ تکلیفیں اُٹھاتے تھے، یہ رات دن کے ستم جھیلتے تھے، لیکن اسلام کی بات اور حق کا بیان نہ چھوڑتے تھے، برابر لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہتے تھے۔

جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوگیا، تو آنحضرتؐ ایک قبیلۂ ثقیف کے ہاں گئے اور ان کے سرداروں سے کہا کہ تم میری مدد کرو، اور قریش کے ظلموں سے مجھ کو پناہ دلواؤ، قبیلۂ ثقیف کے تین افسر تھے، تینوں نے آپ کا مذاق اُڑایا اور کہا۔ ہم سے کچھ امید نہ رکھو، بلکہ اپنی قوم کے جاہلوں کو اشارہ کیا، اور وہ آپ کے مارنے کو پل پڑے، وہاں سے بدقت تمام بھاگ کر آپ عتبہ و شیبہ کے باغ میں آئے اور ایک درخت کے نیچے مایوس ہو کر بیٹھ گئے، عتبہ و شیبہ بھی آپ کے دشمن تھے، مگر جب دیکھا کہ محمدؐ نے ہمارے باغ میں پناہ لی ہے تو انہوں نے انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ آپ کو بھیجا۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر انگور کھانے شروع کردیئے، یہ غلام عیسائی تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ ایسی بسم اللہ تو یہاں کوئی نہیں پڑھتا، تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ بولا میں عیسائی غلام ہوں، نینوا کا رہنے والا، آپ نے فرمایا، وہ نینوا جہاں میرے بھائی یونسؑ پیغمبر تھے، غلام بولا ہاں۔ آپ یونسؑ پیغمبر کو کیا جانیں؟ آپ نے فرمایا وہ بھی پیغمبر تھے، اور میں بھی پیغمبر ہوں تب تو اس غلام نے جھک کر آپ کے قدم چوم لئے۔

عتبہ و شیبہ دور سے یہ دیکھ رہے تھے، آپس میں کہنے لگے کہ لو ہمارا غلام بھی ہاتھ سے گیا، اس شخص میں غضب کا جادو ہے کہ ایک دم میں آدمی کو اپنا کرلیتا ہے۔

غلام چلا گیا، تو آنحضرتؐ نے خدا سے دعا کی، اور نہایت بیکسی سے اس کی جناب میں فریادی ہوئے۔ وہ دعا یہ تھی:-

دو الٰہی! تجھ سے اپنی بے کسی کی فریاد نہ کروں تو کس سے کروں، تو ہی بے سہاروں کا سہارا ہے، کیا تیرے غیروں کے پاس پناہ مانگنے جاؤں، جو ذلت کے ساتھ پیش آتے ہیں، اور منہ پھیر لیتے ہیں، کیا تو مجھ سے ناراض ہے، اگر تو ناراض نہ ہو تو مجھے ان مصیبتوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری مہربانیوں کی شان بڑی ہے، مجھ کو بھی ان میں حصہ دے۔

مدینہ کی لبیک

آنحضرت اسی پریشانی میں تھے کہ حج کا زمانہ آگیا، اور تمام ملک عرب کے بڑے بڑے قبیلوں کے آدمی حج کرنے آئے، آنحضرت کھڑے ہوئے اور ایک ایک قبیلہ کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی، مگر کسی نے نہ مانا، صبح سے شام ہوگئی، پھرتے پھرتے آپ ہر خیمہ کے سامنے جاتے اور سرداروں سے اسلام کا حال کہتے، مگر وہ مسخرہ پن کی باتیں کرنے کوئی کہتا، کیوں جناب ہم مسلمان ہو جائیں، تو تمہارے بعد حکومت ہم کو مل جائے گی؟ تو آپ فرماتے، یہ خدا کو معلوم ہے، میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ وہ کہتے، جی ہاں اس کا وعدہ نہیں کر سکتے، آج عرب سے گردنیں تو ہم کٹوائیں اور کل بادشاہت آپ اور آپ کا خاندان کرے، سلام ہے ایسے دین کو۔

مسلمانوں! ذرا خیال تو کرو، تمہارے آقا، دو جہان کے سردار بھوکے پیاسے دن بھر پھرتے رہے، اور کسی قوم و قبیلہ کا دروازہ نہ چھوڑا، جہاں جاکر اسلام کی دعوت نہ دی ہو، مگر ایک شخص نے بھی ہاں نہ کی، کیسی مایوسی آپ کو ہوئی ہوگی، مگر سچے لوگ ان ناکامیوں سے ہمت نہیں ہارا کرتے، اس واسطے آنحضرت نے دن بھر کی گردش اور ناکامی کا خیال نہ کیا، اور پھر رات کو وہی کوشش شروع کر دی، رات کو آپ کی ملاقات مدینہ کے سات آدمیوں سے ہوئی، یہ مدینہ والے بھی

حج کرنے آئے تھے۔ اور مدینہ میں یہودیوں سے سنا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر آنے والا ہے، وہ ذرا آ جائے تو ہم اُس کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے، یعنے یہودی مدینہ کے عربوں کو ڈرایا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ نے ان مدینہ والوں سے بھی کہا، کہ میں رسول ہوں، تم مجھ پر ایمان لاؤ، اور خدا کا کلمہ پڑھو۔

انہوں نے آپس میں کہا۔ ارے یہ تو وہی رسول معلوم ہوتا ہے، جس سے یہودی ہم کو ڈرایا کرتے تھے، آؤ اس کا کلمہ پڑھ لیں۔ تاکہ بجائے یہودیوں کے یہ ہمارا بن جائے۔

چنانچہ یہ ساتوں مدنی عرب مسلمان ہو گئے، اور اس طرح اپنے شہر مدینہ کی صدائے لبیک پوری کی۔

حج کر کے یہ لوگ مدینہ گئے، اور وہاں جا کر لوگوں سے آنحضرتؐ کا ذکر کیا، اور اپنے مسلمان ہو جانے کا حال کہا، مدینہ کے باشندوں میں چونکہ ازلی صلاحیت تھی، اور لوگ بھی اسلام کی طرف مائل ہوئے، اور دوسرے سال حج کے موسم میں بارہ آدمی مدینہ سے آئے، اور اسی مقام پر جہاں پہلے سات آدمیوں نے مسلمان ہو کر آنحضرتؐ سے بیعت کی تھی، یہ بارہ بھی مسلمان ہوئے اور بیعت کی، جب یہ لوگ مدینہ گئے، آنحضرتؐ نے مصعب ابن عمیرؓ اپنے ایک صحابی اور رشتہ دار کو مدینہ بھیجا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن سکھاؤ، اور اسلام کی منادی کرو۔

حضرت مصعبؓ ابن عمیر مدینہ گئے، اور وہاں لوگوں کو نماز اور قرآن کی تعلیم دینے لگے۔

مدینہ میں سعدؓ ابن معاذ بڑے سردار تھے، انہوں نے سُنا تو وہ مصعبؓ کو قتل کرنے آئے، جب سامنے آئے تو کہا۔ اگر تیری ہم لوگوں میں قرابت نہ ہوتی تو

میں تجھ کو ابھی مار ڈالتا، حضرت مصعبؓ نے کہا، تم ذرا بیٹھو، اور میری ایک بات سُن لو، پھر جو جی میں آئے کرنا۔

حضرت سعدؓ ابن معاذ بیٹھ گئے، اور کہا کہو کیا کہتے ہو؟

حضرت مصعبؓ نے اُن کے سامنے قرآن پڑھا، اور اسلام کی حقیقت بیان کی، جس کو سنتے ہی سعد بولے، سُبحان اللہ! یہ تو بہت اچھا دین ہے، بتاؤ اس میں کیونکر شریک ہوتے ہیں۔ تاکہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں، حضرت مصعبؓ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ کو غسل کرایا، وضو سکھایا، پھر کلمۂ توحید پڑھوا کر دو رکعت نماز ادا کرائی اور کہا لو اب تم مسلمان ہو گئے۔

حضرت سعدؓ ابن معاذ مسلمان ہو کر اپنی قوم کے پاس آئے اور اس کو جمع کر کے کہا بتاؤ میں کیسا آدمی ہوں، اور تم سے کوئی بات کہوں تو مانو گے یا نہیں؟

لوگوں نے کہا، تم ہمارے سردار ہو، اور بہت اچھے آدمی ہو، ہمارے سچے خیر خواہ ہو، جو بات ہم سے کہو گے، وہ ہمارے فائدہ ہی کی ہوگی، اس واسطے ہم ضرور اُس کو مانیں گے۔

تب حضرت سعدؓ نے کہا، میں مسلمان ہو گیا ہوں، یہ دین بہت اچھا ہے تم بھی اسلام قبول کر لو۔

یہ سننا تھا کہ تمام قوم نے کلمۂ توحید پڑھ لیا، اور ایک آدمی بھی ان میں ایسا نہ رہا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو، سب عورت مرد مسلمان ہو گئے۔

اب تو مدینہ میں گھر گھر اسلام کی چہل پہل ہونے لگی، نمازیں جماعت سے پڑھی جانے لگیں۔ قرآن خوانی شروع ہو گئی۔ اور ہر شخص ایک ہی دن میں آنحضرتؐ کا عاشق و شیدا بن گیا۔

مدینہ کے باشندے ازل سے نیکدلی اور مردانہ ہمت ساتھ لائے تھے، چنانچہ

جب دوسری دفعہ مدینہ کے بارہ آدمی مکہ میں آپ سے بیعت کرنے آئے جس کا ذکر اوپر لکھا گیا ہے، تو بیعت کرنے سے پہلے ایک مدینہ والے نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔ دیکھو بھائیو! تم مسلمان ہو کر بیعت کرتے ہو، مگر سوچ لو کہ ساری دنیا سے لڑائی مول لینی پڑے گی، اور بڑے بڑے بادشاہوں کا مقابلہ پیش آئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ آج تو بیعت کر لو، اور کل جو تلوار سر پر چمکے، اور بال بچوں کی تباہی سامنے آئے، تو تم آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ، اس سے تو بہتر یہ ہے کہ آج ہی عہد نہ کرو۔

یہ سنکر اہل مدینہ ایک زبان ہو کر بولے :۔ خدا کی قسم ہم جانوں اور مالوں کو اور بال بچوں کو اس شخص پر اور اس کے سچے دین پر قربان کرنے کا عہد باندھتے ہیں خواہ کیسی ہی مصیبت آئے ہمت نہ ہارینگے اور اسلام کے اوپر صدقے ہو جائیں گے۔

یہ کہہ کر انہوں نے آنحضرت سے پوچھا، کہ ہمیں اس کا کیا بدلہ اور عوض ملیگا؟ آپ نے فرمایا جنّت ملے گی، یہ سنتے ہی انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اور بڑھ بڑھ کر آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جب یہ مدینے والے چلے گئے اور مدینہ میں اسلام کی وہ عام اشاعت ہوگئی جس کا حال ابھی پڑھا ہے، تو مکہ کے کافروں کو بڑی فکر ہوئی، اور وہ مسلمانوں کو زیادہ ستانے لگے، تو آنحضرت نے حکم دیا کہ لوگ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ ہجرت کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں یعنی مکّہ کا رہنا چھوڑ کے مدینے جا رہیں۔ چنانچہ جوق جوق مسلمان خفیہ مدینہ جانے لگے، انہی میں حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی تشریف لے گئے۔ اور مکہ میں آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ صرف گنتی کے چند آدمی رہ گئے۔ آنحضرتؐ کو خدا کے حکم کا انتظار تھا، کہ آسمان کی اجازت آئے تو میں بھی مدینہ چلا جاؤں۔

ہجرت

آخر وہ وقت آگیا، جس کو ہجرت کہتے ہیں، اور جس سے مسلمانوں کے ہجری سنہ اور تاریخ کا حساب شروع ہوا۔

ہجرت کا قصہ اس طرح ہے کہ جب مکہ کے کافروں نے دیکھا سب مسلمان مدینہ جانے لگے، توان کو ڈر ہوا کہ کہیں آنحضرتؐ بھی نہ چلے جائیں، یہ چلے گئے تو مدینہ کے لوگوں کو جمع کر کے ہم پر حملہ کرینگے، اس واسطے وہ سب دارالندوہ (مشورہ کے مکان) میں جمع ہوئے، اور صلاح کی، کہ اب محمدؐ کا کیا بندوبست کرنا چاہیے، ایک شخص نے کہا، ان کو پکڑ کر زنجیروں میں باندھ دو۔ تاکہ اس قید میں ان کا خاتمہ ہو جائے، دوسرے نے کہا قید کرنا ٹھیک نہیں، اس کے اصحاب آکر چھڑا لیں گے،

ایک بولا:۔ اپنے شہر سے نکال دو، تمہاری بلا سے وہ کہیں جائے، اور کہیں رہے، تم تو روز روز اپنے بتوں کی برائی نہ سنو گے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ محمدؐ بڑے خوش بیان ہیں، جس قبیلہ میں جائیں گے، اس کو اپنی زبان کے جادو سے تابعدار کرلیں گے، اور اسکو ساتھ لیکر تم پر چڑھ دوڑینگے

آخر ابوجہل بولا، تو بس یہ ترکیب کرو، کہ ہر خاندان اور قبیلہ کا ایک ایک آدمی چن لیا جائے اور اُس کو تلوار دی جائے، یہ سب لوگ جمع ہو کر محمدؐ کو قتل کر دیں۔ اس طرح یہ فائدہ ہوگا کہ ایک شخص کے ذمہ محمدؐ کا خون نہ رہے گا، بٹ جائے گا۔ اور پھر بنی ہاشم کو ہمت نہ ہوگی کہ محمدؐ کا قصاص لینے کو تمام قبیلوں سے لڑیں، ایک خاندان کا آدمی قتل کرے گا، تو بے شک بنی ہاشم خون کا بدلہ لینے کھڑے ہو جائیں گے۔

ابوجہل کی رائے کو سب نے پسند کیا، اور یہ طے ہو گیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی جا کر محمدؐ کو قتل کر دے۔

چنانچہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چنا گیا، اور سب نے جمع ہو کر قرار دیا کہ

آج رات کو مل کر محمد کا مکان گھیر لو اور اُس کو قتل کر ڈالو۔

یہاں تو ان کفار کی یہ صلاح ہوئی، وہاں حضرت جبرئیل نے آنحضرت کو خبر دی کہ ان لوگوں کا ایسا ارادہ ہے، تم فوراً مدینہ روانہ ہو جاؤ۔

آنحضرتؐ کا قاعدہ تھا کہ آپ روزانہ صبح یا شام کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مکان پر خود تشریف لے جایا کرتے تھے، مگر ہمیشہ صبح یا شام ہی کو جاتے تھے بیچ کے کسی وقت میں نہیں۔ آج جبرئیل کی زبانی یہ حکم سن کر آپ دوپہر کو حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ خلاف عادت آنحضرتؐ کا آنا دیکھ کر حضرت صدیقؓ گھبرا گئے اور پوچھا خیر ہے۔ اس وقت حضور خلاف دستور کیونکر تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا ہاں ایک ضروری کام ہے، تمہارے گھر میں کوئی غیر ہو تو اس کو ذرا باہر کر دو۔

حضرت صدیقؓ نے عرض کیا۔ میری دو بیٹیوں کے سوا، اور کوئی گھر میں نہیں ہے، آپ فرمائیے، کیا بات ہے؟ تب آنحضرت نے فرمایا، مجھ کو ابھی جبرئیل نے یہ حکم خدا کا دیا ہے کہ مدینہ چلا جاؤں۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا تو میں بھی ہمراہ چلوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم بھی چلو۔

یہ سنکر حضرت صدیق رضؓ ایسے خوش ہوئے کہ آپ کو رونا آگیا، اور فوراً سفر کی تیاری شروع کر دی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے، اور حضرت علی رضؓ سے یہ راز کہا اور فرمایا، لو یہ لوگوں کی امانتیں ہیں، ان کو اپنے پاس رکھو، میرے جانے کے بعد جس جس کی ہیں ان کو دیدینا، اور رات کو میرے بستر پر چادر اوڑھ کر سو جانا،

حضرت علیؓ رضؓ نے بسر و چشم کہہ کر امانتیں لے لیں، اور آنحضرتؐ پھر حضرت صدیق کے پاس تشریف لے گئے اور سفر کی تجویز مکمل کر کے اپنے گھر آ گئے۔

رات کو کافر جمع ہو کر آئے، اور آنحضرت کے مکان کا گھیرا ڈال لیا، تاکہ

صبح جب آپ باہر نکلیں تو قتل کر دیں، مگر آنحضرتؐ آدھی رات کو باہر نکلے تو کافر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ آپ نے خاک کی ایک مٹھی لے کر سورہ یٰسین کی شروع کی آیتیں پڑھیں اور ان کے سروں پر وہ مٹی ڈالتے ہوئے نکلے چلے گئے۔ اور کسی کافر کو خبر نہ ہوئی کہ آپ جاتے ہیں۔

جب آپ تشریف لے گئے، تو کسی شخص نے ان سے کہا کہ محمدؐ تو چلے گئے، اور تمہارے سر پر خاک ڈال گئے، تم کس خیال میں بیہوش رہے۔ وہ بولے واہ! وہ تو اندر سوتے ہیں، اور دروازہ میں سے جھانک کر دیکھا تو حضرت علیؓ آنحضرتؐ کا چادرہ اوڑھے لیٹے تھے، انہوں نے کہا دیکھ لو وہ سو رہے ہیں۔

صبح ہوئی، وہ لوگ اندر گئے، اور چادر اٹھا کر دیکھا تو حضرت علی رضؓ ہیں بہت جھلائے۔ اور حضرت علی رضؓ سے پوچھا، کہاں ہیں محمدؐ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا، مجھے خبر نہیں کہاں ہیں، اس پر انہوں نے حضرت علی رضؓ کو پکڑ لیا۔ اور گھسیٹتے ہوئے کعبہ کے سامنے لائے، اور چاہا کہ ان کو مار ڈالیں، مگر لوگوں نے کہا ان کو مارنے سے کیا فائدہ، تم جلدی سے محمدؐ کی تلاش کرو۔ ابھی راستہ میں ہوں گے دوڑو اور ان کو پکڑ لو۔

آنحضرتؐ نے یہ تدبیر کی تھی کہ وہ سیدھے مدینہ نہیں گئے تھے، بلکہ مکہ سے نکل کر قریب کے ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے تھے، حضرت صدیق رضؓ آپ کے ساتھ تھے، دن بھر جو حالت مکہ میں گزرتی، صبح صدیق رضؓ کے فرزند حضرت عبداللہ غار میں جا کر آنحضرت کو اس کی خبر دے آتے اور ان کے بعد حضرت صدیق رضؓ کے غلام بکریوں کا ریوڑ لے کر غار تک جاتے تاکہ حضرت عبداللہ کے پیروں کے نشان مٹ جائیں، اور شام کو حضرت صدیق رضؓ کی بیٹی حضرت اسمار دونوں صاحبوں کا کھانا غار میں دے آیا کرتیں، اس طرح آنحضرتؐ تین دن اس

غار میں رہے۔

لکھا ہے، ایک دن کفار تلاش کرتے ہوئے اس غار کے منہ تک آگئے، تو حضرت صدیق رضؓ نے عرض کی، حضور! دشمن سر پر آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہم دو نہیں ہیں، تیسرا ایک اور بھی یہاں ہے اور وہ خدا ہے اس کا ذکر خدا نے قرآن شریف میں بھی کیا ہے۔

مشہور و معروف پادری اینڈ روز صاحب سے جو پہلے دہلی میں رہتے تھے، میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ ہمارے حضرت رسول خدا کی کس بات کو پسند کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، اس کو کہ وہ غار میں اپنے دوست ابو بکر صدیق رضؓ سے کہتے تھے۔ ڈرو مت، ہم دو نہیں ہیں، تیسرا ہمارے ساتھ خدا ہے۔

جب تین دن اس غار کے اندر گزر گئے۔ اور مکہ کے کفار آنحضرتؐ کے ملنے سے مایوس ہو گئے، تو وہ چپ ہو کر بیٹھ رہے، مگر انہوں نے اشتہار دیدیا کہ جو شخص آنحضرت کو گرفتار کر کے لائیگا اس کو سو اونٹ انعام ملیں گے۔

چوتھے دن آنحضرتؐ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوئے اور حضرت صدیق رضؓ نے اپنے نو مسلم غلام کو بھی ساتھ لے لیا کہ راستہ میں خدمت کرتا چلے۔

روانہ ہونے لگے تو حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضؓ راستہ کے لئے کھانا پکا کر لائیں، مگر جلدی میں وہ تسمہ لانا بھول گئیں جس سے کھانے کا برتن اونٹ کے کجاوہ سے باندھا کرتے ہیں، تو انہوں نے اپنا ازار بند نکال کر اس سے کھانا باندھ دیا، اسی وجہ سے ان کا نام دو ازار بند والی مشہور ہو گیا۔

آنحضرتؐ راستہ سے بچتے ہوئے نہایت تیزی کے ساتھ سفر کرتے چلے جاتے تھے، کبھی اترتے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ آنحضرتؐ کے لئے زمین صاف کر دیتے

میرا مطلب تو یہ ہے کہ بازاری غزلیں اور بیہودہ اشعار اس بزرگ کی شان میں گویوں کی طرح نہ گائے جائیں +

صاحب میلاد کے بزرگوں کا بیان

سلام اُن پر جو خود بھی دونوں جہان میں سب سے بڑے تھے اور اُن کا خاندان بھی سارے عرب میں ہر قبیلہ سے شریف اور بزرگ تھا۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ حضرت آدم تک کتابوں میں موجود ہے۔ آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ اور خانۂ خدا کعبہ شریف کی تولیت وسجادگی اس وقت سے آپ ہی کے بزرگوں کے پاس چلی آتی تھی۔

آپ کے والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ تھا۔ اور دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔ پردادا ہاشم تھے اور ہاشم عبدمناف کے فرزند تھے۔ اسی طرح اوپر تک سلسلہ چلا گیا ہے۔

آنحضرتؐ کے بزرگ سارے ملکِ عرب میں عزت والے مہمان نواز حاجیوں کی خدمت کرنے والے تھے۔ کیونکہ اس بت پرستی کے زمانہ میں بھی کعبہ کا حج ہوا کرتا تھا اور عرب کی تمام قومیں سال کے سال حج کرنے آیا کرتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے بزرگ نہایت خوبصورت اور عقلمند تھے۔ تاریخوں میں ان کی دانشمندی اور عقل کے ایسے عجیب قصے لکھتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نورِ محمدؐ کی تاثیر سے وہ بھی صاحب کرامت تھے۔

مضر کی کرامت

آنحضرتؐ کے اُنیسویں واسطہ سے دادا مضر اور اُن کے بھائیوں کا حال مشہور تاریخ ابن اثیر وطبری میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے آپسمیں جھگڑا ہوا۔ تو وہ نجران کے کاہن کے پاس فیصلہ کرانے چلے۔ راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ ایک سانڈنی

اور کچھ دیر سُلا دیتے، مگر خود نہ سوتے، پہرہ دیتے رہتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی رضؓ نے ہجرت کے وقت جیسی جان جوکھوں میں ڈال کر آنحضرتؐ کی خدمت انجام دی، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ اس خدمت کی جتنی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔

حضرت علی رضؓ نے تو تلوار کے منہ میں اپنے آپ کو رکھدیا، اور بے تکلف آنحضرتؐ کا چادرہ اوڑھ کر سو گئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مدینہ تک نہ رات کو رات سمجھا نہ دن کو دن، ان کو نہ کھانے کا ہوش تھا، نہ سونے کا خیال تھا، وہ تو اس بات کے آگے سب کچھ بھولے ہوئے تھے، کہ آنحضرتؐ کو کچھ تکلیف نہ ہو، اور آپ آرام کے ساتھ کسی طرح جلدی مدینہ پہنچ جائیں اور کافروں کا خطرہ دور ہو۔

جب مدینہ قریب آگیا، تو یکایک پیچھے سے ایک مشہور کافر سوار دوڑتا ہوا آتا نظر آیا، جس کا نام سراقہ تھا، اور یہ سو اونٹ کا انعام لینے کے لئے آنحضرتؐ کو گرفتار کرنے آیا تھا،

حضرت صدیق رضؓ نے اس کو دیکھا تو عرض کیا، سرکار! دشمن آ گئے۔ آپ نے پھر وہی فرمایا، ڈرو نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

سراقہ جب قریب آگیا، تو آنحضرتؐ نے مُڑ کر اُسے دیکھا اور خدا سے کچھ دعا کی، فوراً اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا، یعنی اُس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین کے اندر ہو گئے تو وہ بہت ڈرا اور بولا:۔

محمدؐ! دعا کرو کہ میرا گھوڑا خدا کی اس قید سے چھوٹ جائے، میں اُلٹا چلا جاؤنگا۔ اور جو دشمن آتا ملے گا۔ اس کو بھی پھیر دوں گا اور ادھر نہ آنے دوں گا۔

آنحضرتؐ نے دعا کی، سراقہ کا گھوڑا زمین سے نکل آیا، تو اس کی نیت پھر بدلی اور وعدہ کے خلاف آپ کی طرف جھپٹا۔ آپ نے پھر مڑ کر دیکھا، اور بد دعا کی۔

اب اُس کا گھوڑا اور بھی زیادہ دھنس گیا تو وہ بولا:۔

میں جان گیا کہ آپ ہی کے سبب یہ بات ہوئی، ورنہ پہلے میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اتفاقی بات ہے، ریت میں گھوڑے کے پاؤں دھنس گئے ہیں مگر دوسری دفعہ جو یہ ہوا تو محض آپ ہی کا معجزہ ہے، اب مجھے جانے دیجئے اور دعا کرکے اس عذاب سے چھڑا دیجئے۔ میں اپنا اقرار پورا کروں گا۔

آنحضرتؐ نے پھر دعا کی اور اس کا گھوڑا نکل آیا۔ سراقہ آزاد ہوتے ہی اُلٹا پھرا اور پھر اس کو جو آپ کی تلاش میں آتا ہوا ملا۔ اس نے اس کو اُلٹا پھیر دیا، اور کہا۔ میں دیکھ آیا، تم ناحق حیران ہوتے ہو، محمدؐ ہاتھ نہیں آنے کے۔

مدینہ والا مدینہ میں

آخر یہ مدینے والا مدینہ میں پہنچ گیا۔ مکہ کا پردیسی مسافر اپنے مومنوں کے دیس میں داخل ہوگیا۔

پہلے تو مدینہ کے باہر ایک مقام پر تین دن قیام رہا۔ اس کے بعد آپ مدینہ میں داخل ہوئے، تمام مدینہ والے (جن کو انصار کہتے ہیں۔ جس کے معنی مددگار کے ہیں) راستے میں کھڑے درود کے نعرے لگاتے تھے۔ اور مرحبا یا رسول اللہ مرحبا یا رسول اللہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے، ان کی عورتیں چھتوں پر کھڑی درود پڑھتی تھیں، ان کی لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ گاتی تھیں۔

أَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا وَاخْتَفَتْ مِنْهُ الْبُدُوْرُ

چمکا وہ بدرِ منور چھپ گئے سب ماہ و اختر

مِثْلَ حُسْنِكَ مَا رَأَيْنَا قَطُّ يَا وَجْهَ السُّرُوْرِ

تیرے اچھے نکھرے جیسا تو ہم نے آج تک کوئی چہرہ دیکھا نہیں جس میں خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہوں۔

انصار آپ کی اونٹنی کے آس پاس پروانوں کی طرح چل رہے تھے، اور

جوش میں کہتے جاتے تھے :-

فمحمدنا ھو سیدنا فالعز لنا لاجابتہ

ہمارے محمدؐ ہمارے سردار جن کے قبول کرنے سے ہم کو عزت ملی ہے

ہمارے محمدؐ ہمارے سید، ہمارے سید کا وہ غل تھا کہ در و دیوار گونج رہے تھے اور آنحضرتؐ آہستہ آہستہ اونٹنی پر سوار اس کی نکیل چھوڑے چلے جاتے تھے۔

جس محلہ کے آگے آپ کی اونٹنی جاتی، اس کے رہنے والے دوڑتے اور کہتے سرکار یہاں ٹھیریئے، ہم آپ پر فدا ہوں، اس محلہ میں قیام فرمائیے، سب کچھ نثار کر دیں گے، اور ہر طرح کی خدمت بجا لائیں گے۔

آپ فرماتے۔ میں نے اونٹنی کی نکیل چھوڑ دی ہے۔ جہاں ٹھیر جائے گی، میں اسی جگہ قیام کروں گا، کیونکہ اس ناقہ کو خدا کا حکم پہنچ چکا ہے۔ آخر اونٹنی اسی مقام پر جہاں آج کل آنحضرتؐ کا مزار اور مسجد ہے۔ ٹھیر گئی، مگر آپؐ اترنے نہ پائے تھے کہ پھر آگے چل کھڑی ہوئی۔ اور کچھ دور آگے جا کے پھر الٹی پھری، اور جہاں پہلے رکی تھی وہیں آ کر پھر ٹھیری اور بیٹھ گئی۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری دوڑے اور آپ کا اسباب اتار کر اپنے گھر لے گئے اور آپ کو بھی اتار لیا۔ پھر جب تک اس جگہ مسجد اور مکان تیار نہ ہوا، آپ حضرت ابو ایوبؓ ہی کے مہمان رہے۔

ہجرت کا پہلا سال

ہجرت کے پہلے برس میں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ حضرت علیؓ کا مکہ سے مدینہ تک پیدل آنا تھا۔

ابن اثیر کی تاریخ میں لکھا ہے، کہ آنحضرتؐ کی ہجرت مدینہ کے بعد حضرت علیؓ نے وہ تمام امانتیں جو آنحضرتؐ نے ان کے سپرد کی تھیں، لوگوں کو ادا کیں اور پھر ہجرتؐ

سے بیقرار ہو کر پیدل مدینہ کو چل کھڑے ہوئے۔

حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ سے اور آنحضرتؐ کو حضرت علیؑ سے کچھ ایسی محبت تھی کہ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہ سکتے تھے۔ حضرت علیؑ ہجرت کے وقت کہہ تو نہ سکے کہ مجھ کو بھی ساتھ لے چلئے۔ میرا یہاں اب کون ہے، بچپن سے آپ کے ساتھ ہوں، باپ ہیں تو آپ ہیں، بھائی ہیں تو آپ ہیں، اور ان کا جی آنحضرتؐ کے فراق کی برداشت نہ ہونے کے سبب یہی چاہتا تھا کہ میں بھی ہمرکاب چلوں۔ لیکن آنحضرتؐ نے جو خدمت سپرد کی تھی۔ اور جس جانبازی کا امتحان دینا تھا۔ اس کی خاطر بادل ناخواستہ ٹھہر گئے تھے۔

مکہ چلے تو نہ سواری تھی، نہ کوئی مونس و ہمدم، وہ جو لیلیٰ مجنون کے قصے مشہور ہیں۔ بس اسی طرح مجنون بنے، عشق رسولؐ کو ساتھ لئے چل کھڑے ہوئے کبھی اتنا بڑا سفر پیدل نہ کیا تھا، اس پر پہاڑوں، جنگلوں کا راستہ جہاں نہ سڑک نہ پانی مگر الفت نبیؐ کا ایسا نشہ تھا کہ کسی بات کی پرواہ نہ کی، پیروں میں چھالے پڑ گئے، اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر زخم ہو گئے۔ زیادہ تکلیف ہوتی تو بیٹھ جاتے، پتھر پر سر رکھ کر کچھ دیر آرام کر لیتے، اور پھر راستہ چلنے لگتے، کھانے کو کچھ پاس تھا وہ کھایا، کچھ راستے میں سے کھجوریں خرید کر کھائیں۔ کبھی دو دو وقت صاف گزر گئے، اسی بے سروسامانی اور تکلیف کے ساتھ مدینہ پہنچے، جب مدینہ نظر آیا تو بے قرار ہو گئے اور درود و سلام پڑھنا شروع کیا، اندر داخل ہوئے، تو ایک عورت کے مکان پر جا کر بیٹھ گئے۔ آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ ہوئی، وہیں کسی سے کہدیا کہ ذرا سرکار کو خبر کر دینا کہ ایک طلبگار مکہ سے آیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا نام کیا ہے؟ کہا علی کہدینا، جب لوگ سمجھے کہ یہ آنحضرتؐ کے مقبول بھائی علی ہیں، تو دوڑے ہوئے گئے، اور آنحضرتؐ کو خبر دی، آپ نے فرمایا، اُن کو میرے پاس لاؤ۔ عرض کیا گیا پیروں میں

چھالے اور زخم پڑ گئے ہیں چل نہیں سکتے، توآپ خود جہاں حضرت علی ٹھیرے ہوئے تھے وہاں تشریف لائے۔ اور دوڑ کر حضرت علیؓ کو چھاتی سے لگالیا۔

یہ بھی روتے رہے، اور آنحضرتؐ بھی آبدیدہ ہوئے، اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان کے زخموں کو پیار کیا۔ اور اپنا لب ہاتھ پر مل کر چھالوں اور زخموں میں لگا دیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ لب مبارک کا یہ اثر ہوا کہ شہادت کے وقت تک پھر حضرت علیؓ کے پیروں میں کچھ تکلیف نہ ہوئی۔

اسی پہلے سنہ ہجری میں حضرت عائشہؓ کی وداع ہوئی۔ نکاح تو ان کا مکہ کے قیام میں ہو چکا تھا۔ رخصت باقی تھی، اس کی تکمیل یہاں مدینہ میں آکر ہوئی۔

جہاد کا پہلا سفید جھنڈا

اسی سال میں آنحضرتؐ نے جہاد کا سفید جھنڈا تیار کرایا، اور حضرت حمزہؓ اپنے چچا کو مرحمت کیا، کہ اس کو لے کر باہر جاؤ اور کافروں کی دیکھ بھال کرو کہ کوئی حملہ کرنے تو نہیں آتا۔ آئے تو روکو، یا تم کو موقعہ ملے تو خود ان پر چھاپا مارو، اس جھنڈے کے بعد آپ نے کئی اور جھنڈے بنائے، جو سب سفید تھے، اور وہ مختلف اصحاب کو دے کر الگ الگ سمتوں میں کفار کی دیکھ بھال اور ان پر حربہ زنی کے لئے بھیجا۔

اور بعض مقامات پر خود بھی اصحابؓ کی ہمراہی میں تشریف لے گئے، مگر کبھی معرکہ کی لڑائی نہیں ہوئی۔ معمولی چھیڑ چھاڑ ہو کر رہ گئی۔

ایک طرف تو یہ انتظامات تھے، تاکہ مکہ کے دشمن ناگہانی نہ ٹوٹ پڑیں، اور دوسری طرف رات دن مدینہ والوں یعنی انصار کو اور مکہ والوں یعنی مہاجرین کو دین کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، قرآن خوانیاں ہوتیں، دھوم دھام سے پانچوں وقت کی نمازوں کی جماعتیں ہوتیں، اسلام کے حکم احکام کے چرچے ہوتے، غرض مدینہ میں

یہ ہجرت کا پہلا سال خوب چہل پہل اور گہما گہمی سے بسر ہوا۔

سنہ ۲ ہجری

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا تو اس میں بڑے بڑے واقعات یہ پیش آئے۔

صفر کے مہینہ میں حضرت بی بی فاطمہؓ یعنی اپنی پیاری بیٹی کا آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے نکاح کر دیا، ہمارے ملک کی عورتیں کہا کرتی ہیں کہ تیرہ تیزی یعنی صفر کے مہینہ میں شادی نہ کرنی چاہئیے۔ وہ دیکھیں کہ رسولِ خداؐ نے اپنی صاحبزادی کی شادی اسی تیرہ تیزی کے چاند میں کی تھی، اور آپ کو ذرا بھی وہم نہ ہوا، اور وہم کی کیا بات ہے۔ سب دن اللہ کے ہیں۔

اس نکاح میں نہ رت جگا ہوا، نہ حضرت بی بی مائیوں بیٹھیں، نہ رنگ کھیلا گیا، نہ سہرا باندھا، اور نہ کوئی ایسی رسم ہوئی، جو ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں سے سیکھ لی ہیں۔ اور جن کا کرنا بڑا گناہ ہے۔

آنحضرتؐ چاہتے تو خدا سے دعا کر کے بہت سی دولت پیدا کر لیتے اور اپنی لاڈلی بیٹی کو خوب دھوم دھام کا جہیز دیتے، مگر آپ تو امت کو دکھانا چاہتے تھے کہ دیکھو جب میں نے اپنی بیٹی کی شادی میں فضول خرچی اور ناموری و نمود کی کوئی بات نہ کی تو تم بھی نہ کرنا، اور جہیز کی خاطر لڑکیوں کو بٹھائے نہ رکھنا۔

حضرت بی بی کو نہ سونے چاندی کے جڑاؤ زیور دیئے گئے، نہ ریشمی گوٹہ کناری کے کپڑے۔

غرض سنہ ۲ ہجری کا سب سے پہلا واقعہ یہ تھا، اس کے بعد اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے کافروں سے پیش آئے، جن میں ایک یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے اصحاب مکہ کے کافر سوداگروں پر ایک جگہ چڑھ دوڑے، اور ان کا مال لوٹ لائے یہ پہلا دن تھا، جس میں غنیمت کا مال آیا، اور اس میں حصے لگے۔ اور پانچواں حصہ جس کو خمس

کہتے ہیں، آنحضرتؐ کو دیا گیا، اس کے بعد دستور ہو گیا کہ خلفار اور سادات کو مالِ غنیمت میں خمس دیا جاتا تھا، (اس لوٹ کی تصدیق معتبر کتابوں سے نہیں ہوئی۔ حسن نظامی)

بدر کی لڑائی

اسی سنہ ۲ ہجری میں اسلام اور کفر کی وہ مشہور لڑائی ہوئی، جس سے دین کا سکہ چل گیا، دشمن کا فروں کے سب بڑے بڑے سردار مارے گئے، اور تمام عرب میں مسلمانوں اور اسلام کی ہیبت چھا گئی۔

اس کا قصہ یوں ہے کہ مکہ کا مشہور کافر سردار ابوسفیان جو یزید پلید کا دادا تھا، ملک شام میں سوداگری کرنے گیا تھا، اور اس کے پاس مکہ کے تمام کافر سرداروں کا تجارتی مال تھا۔

جب ابوسفیان شام کے ملک سے کما دھما کر اُلٹا پھرا، تو آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ ابوسفیان بہت سامال لئے مکہ جا رہا ہے، آپ نے خیال کیا کہ یہی دولت ہے، جس کے بل پر مکہ کے کافر دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکڑا کرتے ہیں، اگر یہ برباد ہو جائے تو ان کی شرارتیں کم ہو جائیں گی۔ اور مسلمانوں کو خدا کے یاد کرنے میں آسانی ہوگی۔ اور ان کو ہر وقت کے کھٹکے سے نجات مل جائے گی۔

اس واسطے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ چلو اس سوداگری قافلہ کو چل کر لوٹ لو۔ اسی وقت تین سو مسلمان تیار ہو کر آپ کے ساتھ ہو لئے۔ باقی لوگوں نے سمجھا کہ کسی بڑے دشمن سے تو لڑائی ہے نہیں، معمولی سوداگری قافلہ ہے، اس کو یہ تین سو آدمی بہت ہیں۔ ہم جا کر کیا کریں گے۔

اُدھر ابوسفیان کو بھی آنحضرتؐ کے ارادہ کی خبر ہو گئی، اور اُس نے فوراً مکہ کو ایک سانڈنی سوار دوڑایا کہ جلدی میری مدد کو آؤ، ورنہ محمدؐ سامان لوٹ لیں گے۔

مکہ کے کفار یہ خبر سُن کر فوراً تیار ہو گئے، اور تمام نامی نامی سردار ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر ابوسفیان کی مدد کو دوڑ پڑے، لکھا ہے مکہ میں سوائے ابولہب کے جو بیماری کی وجہ سے نہ آسکا، کوئی آدمی باقی نہ رہا تھا، سب ہی لڑائی کو نکل آئے تھے۔

کافروں نے حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے چچا کو بھی جبراً ساتھ لے لیا، وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر آنحضرتؐ سے لڑنا بھی نہ چاہتے تھے، اسی طرح اور بنی ہاشم کو بھی جو آنحضرتؐ کے مقابلہ سے ناراض تھے مجبور کر کے اپنے ساتھ لائے تھے، کافروں کا لشکر ایک ہزار سپاہیوں کا تھا، اور ان کے پاس گھوڑوں، اور اونٹوں اور ہتھیاروں کی بھی افراط تھی۔

ادھر آنحضرتؐ کے پاس فقط تین سو سپاہی تھے، اور ایک گھوڑا اور چند اونٹ مگر ان سب کے دل خدا اور رسول کی محبت کے سبب مضبوط تھے۔

ابوسفیان تو عام سڑک چھوڑ کر جنگلوں میں چھپتا چھپاتا نکل گیا۔ مگر آنحضرتؐ کی ان مکہ والے کافروں سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔

اور اس زور شور سے لڑائی ہوئی کہ کافر بھی حیران ہو گئے کہ ہم سے گنتی میں ہتھیاروں میں، کھانے پینے کے اسباب میں، ہر طرح مسلمان کم ہیں۔ مگر کیسی ہمت سے لڑ رہے ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے اس لڑائی میں بڑے ہاتھ دکھائے اکثر بڑے بڑے سورما کافر سردار انہی دو کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ اسی طرح تمام صحابہ مہاجرین اور انصار نے جی توڑ توڑ کر ایسی تلوار چلائی کہ کفار کا ستیاناس کر دیا، ان کے سب افسر مارے گئے، اور سارا مال و اسباب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

اس لڑائی میں سب سے بڑا موذی کافر ابوجہل بھی مارا گیا، اور آنحضرتؐ کو ستانے والے سب دشمنوں کا اس لڑائی نے خاتمہ کر دیا، مگر ابوسفیان بچ گیا اور اسی نے

پھر آخر تک کافروں کی ہمت بندھا ئے رکھی ورنہ جنگ بدر نے تو سب کا صفایا کر دیا تھا۔

قیدی جو پکڑے گئے تھے، ان میں آنحضرتؐ کے سگے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، اور آپ کا داماد ابوالعاص بھی تھا جس سے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب بیاہی ہوئی تھیں، قیدی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے جن میں حضرت عباسؓ کا بھی وہی حال تھا یعنی آپ کے ہاتھ بھی رسی سے باندھے گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے دین کے معاملہ میں نہ چچا کی رعایت کی، نہ داماد کی، جہاں اور قیدی تھے یہ بھی تھے۔

ان قیدیوں کے بارے میں آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے صلاح لی، کسی نے کہا فدیہ اور جرمانہ لے کر چھوڑ دیجئے، کوئی بولا مار ڈالئے ورنہ پھر ستانے آئیں گے، حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا، حضور! میرے رشتہ دار تو مجھ کو دیدیجئے کہ اپنے ہاتھ سے ان کو مار ڈالوں اور اپنے قرابت داروں کو آپ خود ذبح کر ڈالئے، اسی طرح ہر مسلمان کو اس کے عزیز اقارب دیدیجئے کہ وہ خود ان کو قتل کرے، مگر عام صحابہ کی رائے اس کے خلاف ہوئی اور آنحضرتؐ نے سب سے جرمانہ اور فدیہ لے کر رہائی دیدی۔

حضرت عباسؓ سے بھی فدیہ لیا گیا، جب چھوٹے۔ اور آپ کے داماد ابوالعاص کی رہائی کے لئے آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینب نے اپنے گلے کی ہیکل فدیہ میں بھیجی۔ اس ہیکل کو دیکھ کر آنحضرتؐ آنکھوں میں آنسو لے آئے، کیونکہ یہ آپ ہی نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دی تھی۔ مگر دین کے معاملہ میں آپ خود بھی گو رسول تھے، مگر ایک مسلمان کی طرح خدا کے حکم کی پابندی کرتے تھے۔ اور آپ نے داماد کی کچھ رعایت نہ کی۔

قیدیوں کو جرمانہ لے کر چھوڑ دینا خدا کو پسند نہ آیا، اور قرآن شریف کی آیتیں حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں۔

ابوسفیان کے مال تجارت کے لئے مسلمانوں کا حملہ کرنا معتبر تاریخوں سے

ثابت نہ ہوا، بلکہ قریش کے حملہ سے بچنے کے لئے آپ بدر میں گئے تھے (حسن نظامی)

یہودیوں سے لڑائی

بدر کی لڑائی سے فراغت ہوئی تو مدینہ کے پاس رہنے والے یہودیوں نے مخالفت پر کمر باندھی۔ ان کے مدینہ کے قریب بہت سے قلعے تھے، اور یہ لوگ سُناری کا کام کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرتؐ مدینہ میں آئے ہیں تو انہوں نے اقرار کیا تھا کہ ہم آپ سے دشمنی نہ کریں گے۔ نہ آپ کے دشمنوں کو مدد دیں گے، مگر بدر کی لڑائی کے بعد اپنے قول و قرار سے پھر گئے۔ اور فساد پر کمر باندھی، آنحضرتؐ نے بہت سمجھایا اور فرمایا دیکھو! ابھی تم نے مکہ کے اتنے بڑے لشکر کا انجام دیکھا ہے۔ شرارت نہ کرو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

انہوں نے جواب دیا محمدؐ! غرور نہ کرو، مکّہ والے لڑنا نہ جانتے تھے، جو تم جیت گئے۔ ہمارے سامنے آؤ تو مزہ چکھائیں، کہ لڑائی اس کو کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھی بات ہے، تو میں تیار ہوں۔ یہ کہہ کر مسلمانوں کی فوج سے اُن پر حملہ کیا، وہ ایک ہی ہلّہ میں بھاگ کر قلعوں میں چھپ گئے، اور چند دن کے بعد ہار کر آپ کے سامنے ہتھیار رکھ دیئے، آپ نے ان کی مشکیں بندھوائیں اور حکم دیا کہ سب کو قتل کر دو۔ مگر ایک منافق عبداللہ ابن اُبی ضد کرنے لگا کہ چھوڑ دیجئے، تو آپ نے مجبوراً ان کو معاف کر دیا، مگر مدینہ کے قریب رہنے نہ دیا ملک شام میں نکلوا دیا۔

یہ عبداللہ ابن اُبی مشہور منافق تھا، اور مدینہ کا بڑا سردار گنا جاتا تھا، آنحضرتؐ کی آمد مدینہ سے پہلے اس کی بادشاہی کے سامان ہو رہے تھے، تاج بھی تیار ہو گیا تھا، اہل مدینہ کا ارادہ تھا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیں، مگر آپ کے تشریف لے آنے سے اس کی بادشاہی رہ گئی، اس واسطے یہ مسلمان تو ہوا مگر جھوٹ موٹ اور دل میں آں حضرتؐ سے دشمنی رکھتا تھا۔ آگے جا کر بہت جگہ اس کی دشمنی ظاہر ہوگی

ہے، انہوں نے اس سے پوچھا تو کیوں پریشان ہے؟ بولا میرا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔

مضر نے کہا وہ ایک آنکھ کا ہے۔ اونٹ والے نے کہا ہاں۔ مضر کے دوسرے بھائی بولے وہ لنگڑا بھی ہے۔ تیسرے بھائی نے کہا وہ دُم کٹا بھی ہے۔ چوتھے نے کہا وہ بھگوڑا بھی ہے۔

اونٹ والے نے کہا۔ ہاں ہاں۔ یہ سب باتیں اس میں موجود ہیں، بتاؤ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے قسم کھائی کہ اس کو ہم نے نہیں دیکھا۔ ہمیں کیا خبر کہاں ہے اونٹ والے نے کہا واہ تم نے سب کچھ تو بتا دیا، اور اب تم مکرتے ہو۔ تم ہی نے اس کو لیا ہے۔ غرض وہ ان کے ساتھ ہولیا۔ اور کہا کاہن ہی ہمارا تمہارا فیصلہ کریگا۔

جب یہ پانچوں کاہن کے پاس گئے تو پہلے اونٹ والے کا قصہ پیش ہوا۔

کاہن نے کہا اگر تم لوگوں نے اونٹ دیکھا نہیں تو سارے پتے کیونکر بتادیئے۔

مضر نے کہا میں نے اس کو ایک آنکھ کا اس واسطے کہا کہ راستہ میں مینے گھاس دیکھی جس کو کسی جانور نے ایک رُخ سے کھایا تھا اور دوسرا رُخ چھوڑتا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ کانا ہے اسی لئے تو اُس نے دوسرا رُخ گھاس کا نہ کھایا۔

دوسرے بھائی نے کہا۔ میں نے لنگڑا اس واسطے کہا کہ راستہ میں اونٹ کے پاؤں کے نشان تھے۔ ان میں ایک پاؤں کا نشان ذرا کمزور پڑتا تھا۔ اس سے میں نے قیاس کیا وہ لنگڑا ہے۔

تیسرے نے کہا۔ میں نے دُم کٹا یوں کہا تھا کہ اونٹ کی مینگنیاں اکٹھی پڑی تھیں۔ اس کے دُم ہوتی تو بکھر کر گرتیں۔

چوتھے نے کہا۔ میں نے اس کو بھگوڑا اس لئے سمجھا تھا کہ وہ ایک جگہ گھاس نہ کھاتا تھا، ایک جگہ منہ مارا پھر آگے بڑھ گیا۔ بھگوڑا نہ ہوتا تو صبر سے ایک جگہ کھڑا

اسی ۲ھ ہجری میں ابوسفیان یزید پلید کا دادا دو سو سوار لے کر جنگ بدر کا بدلہ لینے مدینہ پر چڑھ آیا، کیونکہ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک محمدؐ پر جہاد نہ کرونگا اور جنگ بدر کا بدلہ نہ لوں گا، اس وقت تک دنیا کا عیش حرام ہے۔

آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ بھی مدینہ سے نکل کر اس کے مقابلہ کو چلے مگر ابوسفیان بغیر لڑے بھاگ گیا، مدینہ کے قریب ایک غریب انصاری اس کو مل گئے تھے، ان کو شہید کر دیا، اور کہا قسم تو پوری ہو گئی۔ اب جلد بھاگو۔ ورنہ خیر نہیں۔ ہر چند مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا، مگر ہاتھ نہ آیا۔

اسی سال میں حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے۔

۳ھ ہجری

ہجرت کے تیسرے سال بڑے بڑے واقعات آنحضرتؐ کو یہ پیش آئے:-

حضرت عثمان غنیؓ سے آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کا نکاح کیا، اور حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ سے اپنا نکاح فرمایا۔

اسی سال میں کعب ابن اشرف اور ابورافع نامی دو مشہور یہودی مارے گئے جو آنحضرتؐ کی شان میں ہجو کیا کرتے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلاتے تھے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اجازت دی، اور انہوں نے ان دونوں کو رات کے وقت جا کر مار ڈالا۔

اسی طرح اور چھوٹے موٹے جھگڑے ہوئے مگر اس سال کا سب سے بڑا واقعہ اُحد کی لڑائی ہے، جو مدینہ سے ڈیڑھ میل باہر اُحد کے مقام پر ہوئی۔

جنگ اُحد

اس لڑائی کا بانی مبانی وہی بہادر پوتے کا دادا ابوسفیان تھا اس نے مکہ کے سب لوگوں کو غیرت دلا کر آمادہ کیا کہ اپنے بڑوں کا جو بدر میں محمدؐ کے ہاتھوں سے مارے گئے، چل کر بدلہ لو۔ آخر مکہ کے کفار

بڑے بڑے ساز و سامان سے تیار ہو کر ابو سفیان کی سرداری میں مدینہ پر چڑھ کر آئے۔

اب کے کافروں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں۔ جو گیت گا کر اور بدر کے مقتولوں کے مرثیے پڑھ کر کفار کو جوش دلاتی تھیں۔

کافروں کے لشکر میں تین ہزار آدمی لڑنے والے آئے تھے۔ آنحضرتؐ ہزار آدمی لے کر مقابلہ کو نکلے، مگر راستہ میں سے وہی عبداللہ ابن اُبی منافق تین سو آدمی لے کر اُلٹا چلا گیا، اور آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ دیا، اب آپ کے ساتھ کل ہم سات سو آدمی رہ گئے۔ لڑائی شروع ہوئی اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے اب کے بھی خوب تلوار چلائی، اور بہت سے مشہور کافر مارے گئے۔ آخر کافروں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے، مگر مسلمانوں نے یہ غلطی کی کہ وہ لوٹ پر گر پڑے اور لڑائی کو چھوڑ دیا۔

آنحضرتؐ کے آس پاس جو محافظ فوج تھی، وہ بھی مال لوٹنے چلی گئی، اور آنحضرتؐ کا قاعدہ تھا کہ لڑائی میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ اس واسطے آپ نے اپنی پشت پر پہرہ دار مقرر کئے تھے، جب مسلمان لوٹ میں مصروف ہو گئے تو کافر پلٹ پڑے اور انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور خود آنحضرتؐ پر بھی حملہ کیا۔ آپ کے رخسارہ پر ایک کافر نے پتھر مارا، جس سے خود کی کڑیاں کلے میں گھس گئیں، دوسرے پتھر سے آپ کے نیچے کے دانت شہید ہو گئے، اور ہونٹ چر گیا۔ ایک کافر نے آپ کے تلوار ماری، آپ نے وار خالی دیا۔ اور چاہا کہ جواب میں اس کے تلوار ماریں مگر آپ کا پاؤں پھسل گیا، اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے، اس پر اس کافر نے غُل مچا دیا کہ میں نے محمدؐ کو مار ڈالا، میں نے محمدؐ کو مار ڈالا، یہ آواز سنکر مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو گئیں، اور کافروں نے پہلے سے زیادہ مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا، اسی اثنا

میں حضرت علیؓ دوڑے ہوئے آئے، اور آنحضرتؐ کو انہوں نے سہارا دیکر اُٹھایا اور ڈھال میں پانی لاکر زخم دھوئے، خون بند نہ ہوتا تھا، حضرت بی بی فاطمہؓ آئیں اور اپنے باپ کو اس حال میں دیکھ کر لپٹ گئیں اور رونے لگیں۔ پھر انہوں نے بوریہ جلا کر زخم میں بھرا جس سے خون تھم گیا۔

آنحضرتؐ گڑھے سے نکل کر باہر کھڑے ہوئے تو اُبّی ابن خلف مشہور کافر جو مکہ میں آپ سے کہا کرتا تھا کہ محمدؐ! اپنی گھوڑی کو روزانہ دانہ کھلاتا ہوں تاکہ ایک دن اس پر سوار ہو کر تجھ کو قتل کروں تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہی تجھ کو ماروں گا۔ اب جو اس کافر نے دیکھا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں، وہ نیزہ لے کر دوڑا اور آپ پر حملہ کیا۔ آپؐ نے انہی زخموں کی حالت میں جھپٹ کر اس کا نیزہ چھین لیا، اور اسی سے اس کو مار ڈالا۔

مسلمانوں نے جب یہ سُنا کہ آنحضرتؐ شہید ہوگئے، تو انہوں نے مایوس ہوکر لڑائی سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ ایک صحابی نے ان سے کہا، تم لڑتے کیوں نہیں کھڑے کیوں ہو؟ وہ بولے محمدؐ تو شہید ہوگئے۔ اب کس کے واسطے لڑیں؟ انہوں نے کہا لڑو، خدا تو نہیں مارا گیا۔ محمدؐ مارے گئے تو کیا ڈر ہے۔ ہم کو خدا کے لئے لڑنا چاہیئے یہ بات سن کر مسلمان کافروں پر پھر ٹوٹ پڑے۔

اتنے میں عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے آواز دی کہ ہے کوئی مسلمان جو میرے مقابلہ میں آئے، یہ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے تھے، اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بیٹے کی آواز سنی تو خود تلوار کھینچکر سامنے آئے اور فرمایا، ہاں میں ہوں جو دین کی لاج کے لئے تجھ سے لڑونگا۔ مگر آنحضرتؐ نے اُن کو منع کیا اور فرمایا، تم نہ جاؤ، تم سے اور کام لینے ہیں، کسی اور کو لڑنے کے لئے بھیجو۔

اس لڑائی میں حضرت حمزہؓ کو وحشی نامی ایک کافر غلام نے شہید کر دیا، اور پھر یزید کی دادی یعنی ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آکر حمزہؓ کا کلیجہ نکالا، اور اس کو چبایا،

اور ان کے ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں پہنا، اور ابو سفیان نے حضرت امیر حمزہؓ کی لاش پر برچھا مار کر اور گالی دیکر کہا۔ کیوں مزا چکھا؟

اس لڑائی میں پانچ انصاریوں نے آنحضرتؐ پر جانیں نثار کر دیں۔ کافر تاک تاک کر آنحضرتؐ کے تیر مارتے تھے۔ اور وہ انصاری سپر بن کر سامنے آجاتے تھے اور تیر اپنے اوپر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تیروں سے اور برچھوں سے چھلنی ہو کر شہید ہو گئے۔

بہر حال یہ لڑائی ختم ہوئی اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا کر کافر مکّہ کو چلے گئے۔

جس وقت آنحضرتؐ مدینہ کو واپس آ رہے تھے، تو ایک مسلمان عورت راستہ میں ملیں۔ اُنہوں نے پوچھا لڑائی کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا تیرا خاوند، باپ اور بھائی سب مارے گئے، تو وہ بولیں، تم یہ بتاؤ کہ آنحضرتؐ تو خیریت سے ہیں؟ کہا گیا کہ ہاں وہ تو زندہ سلامت ہیں۔ تو اُس نے کہا۔ الحمدللہ، مجھے انہی کی سلامتی درکار ہے۔ خاوند، باپ، بھائی کی کچھ پرواہ نہیں، اس کو زندہ رہنا چاہیئے۔ جس کے ہم غلام ہیں۔

اُحد کی لڑائی میں خود آنحضرتؐ ایسے لڑے کہ بڑے بڑے لڑنے والے بہادروں کو تعجب آتا ہے کہ وہ فوج کی افسری بھی کر رہے تھے اور انہوں نے بہت سے آدمیوں کو قتل بھی کیا، حالانکہ فوج کے سردار فقط حکم چلایا کرتے ہیں، لڑا نہیں کرتے۔

اصل میں خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ میں سب انسانی صفتیں جمع کر دی تھیں، وہ بادشاہی تدبیروں میں ایسے تھے کہ بڑے بڑے بادشاہ حیران ہوتے تھے۔ لڑائی کے فن میں ان کو ایسا کمال تھا، کہ آج تک دنیا کے نامی سپہ سالاران کے آگے کان پکڑتے ہیں۔ غرض خدا پرستی اور عبادت حق میں بھی وہ سب سے اعلیٰ اور گھرداری اور دنیاداری

امور میں وہ سب سے برتر تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

۴ہ ہجری

اس سال کے دوسرے مہینے صفر میں آنحضرتؐ کو ایک بڑا صدمہ پیش آیا، اور وہ یہ تھا کہ عضل اور قارہ نامی دونوں قبیلوں کے آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مکاری کر کے عرض کیا، کہ ہماری برادریاں مسلمان ہوگئی ہیں۔ آپ ہم کو ایسے آدمی دیجئے جو ان کو اسلام کے طریقے سکھائیں۔

آنحضرتؐ نے چند صحابی جو مسائل دین و قرآن سے واقف تھے ان کے ساتھ کر دیئے۔ جب یہ لوگ اپنی بستی کے پاس پہنچے، تو انہوں نے اپنی قوم کو پکارا کہ آؤ شکار جال میں آپھنسا، کافر ہتھیار لے کر دوڑے اور یہ بیچارے چھ خدا والے پہاڑ کی کھوہ میں گھس گئے۔

اس پر ان بے ایمانوں نے کہا۔ ہم تم سے دغا نہ کریں گے۔ تم ہتھیار رکھدو اور باہر آجاؤ۔ دو مسلمانوں نے تو ان کا کہنا مان لیا، اور ہتھیار دیدیئے۔ اور چار نہ مانے اور وہ لڑے اور شہید ہوگئے، کفار نے ان دو کو قید کر لیا اور مکہ میں لے جاکر کافروں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ مکہ کے کفار تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہر وقت رہتے تھے، انہوں نے ان دونوں بے گناہ مومنوں کو بڑی اذیت دے کر شہید کر دیا۔

جب اس کی خبر مدینہ میں آئی، تو آنحضرتؐ کو اپنے اور خدا کے ان پیارے ایمانداروں کی ایسی بے بسی سے شہید ہونے کا بڑا قلق ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کچھ لوگ جائیں اور مکہ میں ابو سفیان کو مار ڈالیں کہ وہی موذی ان شرارتوں کا باعث ہے۔

یہ حکم سنکر دو مسلمان کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور مکہ پہنچے مگر ابو سفیان کی موت ابھی نہ آئی تھی، یہ مسلمان کفار سے چھپ نہ سکے، ہر چند انہوں نے کوشش کی مگر بھید کھل گیا۔ اور یہ وہاں سے بھاگ آئے لیکن انہوں نے بدلہ لے لیا، راستہ میں کئی کافران کو ملے، جنہیں انہوں نے مار ڈالا۔

یہ تو خیر چھ مسلمانوں کی شہادت ہوئی، اس سے بھی بڑا افسوسناک واقعہ اسی مہینہ میں اور ہوا، جس میں ستر صحابی، اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس مسلمان دھوکہ اور دغا سے شہید ہو گئے۔

اس میں بھی یہی ہوا کہ ابو براء نامی ایک کافر نے آنحضرتؐ سے کچھ مسلمان بنی عامر کی ہدایت کے لئے مانگے، اور خود ان کی جان کا ذمہ دار بنا۔ آنحضرتؐ نے ترقی اسلام کے اشتیاق میں مسلمانوں کو اس کے ساتھ کر دیا۔ جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وہ نیک غلام بھی تھے، جو آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت ساتھ ساتھ خدمت کرتے آئے تھے۔

جب یہ مسلمان بیر معونہ پہنچے جو اس قبیلہ کا مقام تھا، تو عامر بن طفیل نامی سردار کفار نے ان گنتی کے مسلمانوں پہ غداری سے حملہ کیا۔ ہر چند ابو براء اور اس کی برادری نے کہا۔ ہم نے ان کو پناہ دی ہے، مگر وہ موذی نہ مانا، اور ٹڈی دل فوج سے ان غریبوں کو گھیر کر شہید کر دیا۔ اگرچہ ابو براء نے بھی اپنے قول کی پاسداری میں کافروں کے اس سردار عامر بن طفیل کو مار ڈالا۔ مگر کیا ہوتا ہے، ایک مشرک کی اتنی مومن جانوں کے سامنے کیا ہستی ہے، آنحضرتؐ نے سُنا تو آپ کو بہت ہی ملال ہوا، کیونکہ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی جان بیش قیمت سمجھتے تھے، اور اس کے ضائع ہونے سے آپ کو بڑی بے قراری ہوتی تھی۔

اسی سال آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، اور اسی سال حضرت امام

حسین علیہ السلام پیدا ہوئے، اور ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے بھی اسی سال نکاح کیا تھا۔

اور اسی سال آنحضرتؐ کے نواسے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا، جو حضرت عثمان غنیؓ کے صاحبزادے تھے، اور جن کی عمر چھ برس کی تھی۔

علیؓ کی ماں رسولؐ کی ماں

اسی سال حضرت علیؑ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد نے رحلت کی۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑا قلق ہوا۔ اور آپ نے جنت البقیع میں خود اپنے ہاتھ سے ان کی قبر کھودی، اور پھر اس قبر میں لیٹ کر قرآن شریف پڑھا اور باہر نکل آئے، اور جب میت کو غسل دے چکے، تو آنحضرت نے اپنا کرتہ بھیجا کہ یہ ان کو پہنا دو۔ اور جنازہ کو خود کندھا دیا۔ اور پھر ان کے جنازہ کی نماز ستر تکبیروں سے پڑھائی اور جب ان کو قبر میں اتارنے لگے تو فرمایا:-

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ۔ چونکہ حضرت فاطمہ بنت اسد مسلمان نہ ہوئی تھیں اس واسطے آنحضرتؐ نے یہ نہ فرمایا جو مسلمان کے دفن کے وقت کہا کرتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ اُن کے دفن سے پہلے قبر میں جا کر لیٹے اور یہ دعا کی:-

اے وہ خدا جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور خود زندہ ہے اور مرتا نہیں میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس کی قبر کو فراخ کر دے۔ اپنے نبی محمدؐ کے طفیل، اور ان سب پیغمبروں کے طفیل جو مجھ سے پہلے تھے، کیونکہ تو بڑی رحمت والا ہے۔

آنحضرتؐ حضرت فاطمہ کی میّت کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے تھے۔ اُمّی بَعْدَ اُمّی

میری ماں کے بعد ماں، یعنی میری اصلی والدہ آمنہ کے بعد تم میری ماں تھیں۔

صحابہ کو ان سب باتوں سے بڑا تعجب ہوا، اور انہوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آج آپ نے بہت سی باتیں نئی کیں۔

آپ نے فرمایا:۔ اے لوگو! میرے چچا ابو طالب کے بعد سارا جہان میرا دشمن تھا۔ مگر یہ ایک علیؑ کی ماں تھیں۔ جو سگی ماں کی طرح مجھ سے محبت کرتی تھیں، اس واسطے میں نے ان کو اپنا کرتہ پہنایا کہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیں، اور ان کی قبر میں لیٹا تاکہ قبر کا عذاب بھی ان پر نہ ہو۔

اسی سال آنحضرتؐ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھو اور غیر مذہب سے واقفیت حاصل کرو، اسی سال شراب حرام ہوئی۔

یہودیوں کا ایک بُرا ارادہ

اسی سال میں یہ قصہ پیش آیا کہ بیر معونہ کے واقعہ کے متعلق آنحضرتؐ مدینہ کے قریب بنی نضیر نامی ایک قبیلہ کے پاس صحابہ سمیت مشورہ کے لئے تشریف لے گئے۔

یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، اور ان کی آنحضرتؐ سے صلح تھی، اور دوستی کے قول و قرار ہو چکے تھے۔

مگر یہودیوں نے جو آنحضرتؐ کو گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ اپنے پنجہ میں دیکھا، تو اُن کی نیت میں فرق آیا، اور انہوں نے آپس میں کہا۔ اس سے اچھا کوئی موقعہ نہ ہوگا، آج محمدؐ کا کام تمام کرو۔ یہ صلاح ٹھیری کہ آپ جس دیوار کے سایہ تلے بیٹھے ہیں، اس مکان کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپ کے اوپر پھینکدو جس سے آپ کا خاتمہ ہو جائے، چنانچہ ایک یہودی پتھر لیکر چھت پر آیا مگر اسی وقت آپکو وحی سے خبر ہو گئی اور آپ صحابہ سے کچھ کہے سُنے بغیر چُپ چاپ اُٹھ کر مدینہ کو چلے آئے۔

صحابہ نے سمجھا کہ آنحضرتؐ کسی ضرورت کو گئے ہیں، آجائیں گے، جب آپ کو

دیر ہوئی تو وہ بھی تلاش کرتے ہوئے مدینہ چلے آئے۔ اس وقت آنحضرت نے فرمایا، یہودی فریب سے مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اور حکم دیا کہ ان یہودیوں کے نام ابھی فرمان بھیجا جائے کہ وہ یہاں سے جلاوطن ہو جائیں۔

یہودیوں کو یہ حکم پہنچا تو انہوں نے آنحضرتؐ کے دشمنوں کی مدد کے بھروسے پر جنہوں نے کمک دینے کا اقرار کیا تھا سخت جواب دیا۔ آنحضرتؐ یہ جواب سنتے ہی یلغار کر کے عصر کے وقت لشکر سمیت ان پر جا چڑھے، اور یہودی مجبوراً قلعہ بند ہو گئے پندرہ دن قلعوں کا محاصرہ رہا اور کسی کافر کو مدد دینے کی ہمت نہ ہوئی، تو یہودیوں نے آنحضرتؐ سے امان مانگی، آپؐ نے ان کو ان کے مال کو امان دی۔ مگر فرمایا کہ ہتھیار لے لئے جائیں۔ چنانچہ ان سب کے ہتھیار لے کر مال اسباب سمیت شام کی طرف نکال دیا گیا۔

۵ سنہ ہجری

اسی سنہ میں بنی مصطلق یہودیوں سے لڑائی ہوئی ان یہودیوں کے سردار حارث نے عرب کے مشرکوں کو ملا کر وعدہ کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ کرے، آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ نے ایک جاسوس وہاں بھیجا جس نے جا کر حارث سے کہا میں نے سنا ہے تم لوگ محمدؐ پر حملہ کرنا چاہتے ہو، اگر یہ سچ ہے، تو میں بھی اپنی قوم کو لے آؤں۔ کیونکہ ہم بھی محمدؐ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ حارث نے خوش ہو کر کہا، بیشک ہم تیار ہیں، اور اپنی ساری فوجی طاقت اور قبیلوں کی سازشوں کا حال ان سے کہہ دیا، اور ان کی خوب خاطر کی۔ یہ جاسوس آنحضرتؐ کے پاس آئے، اور سب کیفیت عرض کر دی، آپ فوراً لشکر لے کر یہودیوں پر چڑھ گئے، اور ایک ہی حملہ میں ان کو شکست دیدی۔

حارث کی بیٹی جویریہ مسلمان ہو گئیں اور آنحضرتؐ نے خود ان سے نکاح کر لیا۔

جب لشکر اسلام فتحیاب ہو کر مدینہ جا رہا تھا تو راستہ میں مہاجرین اور انصار

میں کنوئیں کے ایک ڈول پر جھگڑا ہو گیا، اور آپس میں تلواریں کھنچ گئیں۔ قریب تھا کہ کشت و خون ہونے لگے کہ چند لوگ بیچ میں آ گئے اور صلح کرادی۔ اس وقت مدینہ کا مشہور منافق عبداللہ ابن اُبی بہت بگڑا۔ اور مدینہ والے مسلمانوں سے کہا، تم نے خود ان مہاجرین کو سر چڑھایا ہے۔ نہ تم ان کو گھر بلا کر اتنا منہ لگاتے، نہ آج یہ اتنے ہوتے کہ تم پر تلوار اٹھائیں، خیر کیا ڈر ہے، مدینہ چلنے دو، عزت والا ذلیل کو نکال باہر کریگا۔

اِس سے اس ملعون کا مقصد یہ تھا کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ ذلیل ہیں اور وہ کافر عزت دار۔

اس کی خبر آنحضرتؐ کو بھی ہوئی۔ مگر آپ نے ٹال دیا، اور کچھ خیال نہ فرمایا مگر خود اس منافق کا بیٹا عبداللہ پکا مسلمان تھا، اس نے جو سنا کہ باپ نے آنحضرتؐ کی شان میں یہ بے ادبی کی ہے۔ تو وہ دوڑا، اور باپ کے اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو بٹھایا۔ باوا نے کہا ارے کیا کرتا ہے، بولے تجھ کو اس وقت تک مدینہ میں گھسنے نہ دونگا جب تک تو یہ نہ کہے کہ میں ذلیل اور رسولؐ اللہ عزت والے، منافق بیٹے کے تیور بدلے دیکھ کر بولا۔ اور کہا، اچھا بابا میں ذلیل، بچوں سے زیادہ ذلیل، عورتوں سے زیادہ ذلیل، بس اب تو خوش ہوا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں، کہ آنحضرتؐ کی سواری بھی قریب آ گئی، آپ نے پوچھا، کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے ساری حقیقت بیان کی۔ اس پر آپؐ نے منافق کے لڑکے کو روکا، اور فرمایا جانے دو، کچھ خیال نہ کرو۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت

اسی جہاد سے آنحضرتؐ مدینہ کو واپس آ رہے تھے، کہ ایک نیا واقعہ پیش آیا اور وہ یہ تھا کہ چونکہ اسی سال پردہ کا حکم قرآن شریف میں نازل ہوا تھا، اس واسطے حضرت عائشہؓ پردہ میں آنحضرت کے ساتھ جہاد میں گئی تھیں۔

ہو کر کھاتا۔

کاہن ان کی عقلمندی دیکھ کر حیران ہو گیا، اور اس نے اونٹ والے کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور کہا ان لوگوں نے تیرا اونٹ نہیں چرایا۔

اب کاہن نے ان کی خاطر کی، کھانا کھلایا، اور شراب پلائی تو ایک بھائی بولے کھانا تو خوب ہے، مگر بکری نے کتے کا دودھ پیا تھا، دوسرے نے کہا، شراب تو اچھی ہے مگر انگور قبرستان کے ہیں تیسرے نے کہا۔ کاہن اچھا آدمی ہے مگر حلال کا نہیں۔

یہ باتیں کاہن نے پردے کی آڑ میں سنیں۔ وہ انتہا حیران ہوا کہ یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے فوراً اپنے باورچی اور شراب والے کو بلا کر تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی جن جن انگوروں کی شراب تھی۔ وہ قبرستان کے تھے ، اور جس بکری کا گوشت تھا، اس نے ایک دفعہ کتیا کا دودھ پی لیا۔ جب یہ دونوں باتیں سچ نکلیں تو وہ اپنی ماں کے پاس گیا، اور کہا سچ بتا میرا باپ کون تھا؟ اس نے کہا بیٹا میرے اولاد نہ ہوتی تھی۔ مجھے ڈر ہوا کہ تیرا باپ اولاد کے لئے کسی اور عورت سے شادی نہ کر لے۔ اس واسطے میں نے ایک اجنبی شخص سے حرام کیا اور تو پیدا ہوا۔

کاہن یہ سن کر باہر آیا اور کہا تم لوگ کیا چاہتے ہو اور کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہمارے آپس میں ایک جھگڑا ہے، اس کا فیصلہ کر دے، کاہن نے کہا۔ جب تم کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور تم ایسے عقلمند ہو تو میں تمہارا کیا فیصلہ کروں گا۔ مگر ان کے اصرار سے اس نے ان کا فیصلہ کر دیا۔

چھٹے دادا قصئ

آنحضرت کے چھٹے دادا قصئ تھے یعنی چھٹے واسطے پر دادا ہوتے تھے۔ یہ عبد مناف کے دادا تھے سب سے پہلے انہوں نے اپنے خاندان والوں کو مکہ میں جمع کیا تھا، اور ان کا جتھا باندھا تھا انہی کے وقت سے اس خاندان کا نام قریش ہوا کیونکہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں

ایک منزل میں لشکر ٹھیرا، صبح کو حضرت عائشہ قافلہ سے الگ ہو کر بیت الخلا گئیں۔ اور وہاں ان کا ایک ہار گر پڑا، جب الٹی پھر کر لشکر میں آئیں، تو دیکھا گلے میں ہار نہیں ہے۔ اس کو ڈھونڈھنے الٹے پاؤں پھر جنگل چلی گئیں۔ وہ تو جنگل گئیں یہاں لشکر کا کوچ ہوگیا۔ اور فوج کے آدمیوں نے آپ کا ہودج جس پر پردہ لگا ہوا تھا، یہ سمجھ کر کہ حضرت عائشہؓ اس کے اندر ہیں، اونٹ پر کس دیا، چونکہ حضرت عائشہؓ اس زمانہ میں کمسن اور دبلی پتلی تھیں، اس واسطے کسی کو کجاوے کے ہلکے ہونے سے شبہ نہیں ہوا، کہ حضرت عائشہؓ اس میں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ہوتی تھیں، جب بھی کجاوہ میں کچھ بہت بوجھ نہ معلوم ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ جنگل سے آئیں تو قافلہ دور جا چکا تھا، یہ بہت گھبرائیں، مگر یہ سمجھ لیا کہ جب میرے گم ہونے کی خبر ہوگی، تو لوگ میری تلاش میں خود آئیں گے، اس واسطے چادر اوڑھ لیٹ کر سو گئیں۔ آنحضرتؐ نے دو آدمی مقرر کر رکھے تھے کہ وہ لشکر کے پیچھے چلا کریں، تاکہ کوئی گری پڑی چیز ہو تو اٹھا لیں، ایک شخص صفوان نامی اسی قسم کا چوکیدار جب پیچھے سے آیا، اور اس نے کسی کو سوتے دیکھا تو آواز دی کون سوتا ہے؟ اٹھو لشکر کا کوچ ہوگیا۔ حضرت عائشہؓ جاگیں، اور جلدی سے انہوں نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لی۔ اس وقت صفوان نے سمجھا کہ یہ عورت ہیں، اور اس نے اپنا اونٹ بٹھا کر کہا، آپ اس پر سوار ہو جائیے اور خود ہٹ گیا، حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہوگئیں، اور صفوان اس کی مہار پکڑ کر ان کو لشکر میں لے آیا، یہاں آتے ہی منافقوں نے خصوصاً عبداللہ ابن اُبی نے باتیں بنانی شروع کیں، اور حضرت عائشہؓ پر بُری تہمت صفوان کے ساتھ لگائی، منافقوں کے ساتھ دو چار مسلمان بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے، جن میں حضرت حسّانؓ مسلمانوں کے شاعر بھی تھے۔

آنحضرتؐ نے یہ چرچے سنے تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا، مگر آپ نے گھر میں حضرت عائشہ رضؓ سے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد جو ہوا، وہ میں حضرت عائشہ کی زبانی لکھتا ہوں۔ فرماتی ہیں:-

جہاد سے آنے کے بعد میں نے دیکھا، آنحضرتؐ کچھ چپ چپ ہیں، اور مجھ سے بات نہیں کرتے۔ میں نہیں سمجھی کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ کیونکہ نہ انہوں نے خود کچھ فرمایا اور نہ میں نے کچھ پوچھا، البتہ میں سمجھ گئی، کہ آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ تو میں نے عرض کیا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں میکہ چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا چلی جاؤ۔ میں اپنے میکہ میں آکر بیمار ہو گئی۔ مگر آنحضرت مجھ کو پوچھنے تک نہ آئے، بہت دن بیمار رہ کر جب میں اچھی ہوئی، تو میں نے ایک عورت کی زبانی یہ قصہ سنا کہ سارے مدینہ میں یہ شہرت ہو رہی ہے، اب تو مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور میں نے اپنی اماں سے کہا، کیوں بی اماں! تم نے مجھ سے کچھ نہ کہا، اتنی اتنی بڑی باتیں مجھ پر بن گئیں۔ اور تم نے مجھ کو خبر تک نہ کی۔

وہ بولیں۔ بیٹی تو بیمار تھی، کہتی کیا۔ جانتی تھی کہ تو چونکہ رسولؐ خدا کی چاہیتی زیادہ ہے، اس واسطے بیر کے مارے لوگوں نے یہ باتیں گھڑی ہیں۔ میں رونے لگی۔ اور اس صدمہ سے پھر بیمار پڑ گئی۔ اسی اثناء میں میں نے سنا کہ آنحضرتؐ نے مقرب صحابہؓ کو جن میں حضرت عمر رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ بھی تھے جمع کرکے رائے لی، تو سب نے میری پاکدامنی کا آپ کو یقین دلایا، مگر حضرت علی رضؓ کی نسبت میں نے ایک تو یہ سنا کہ انہوں نے کہا، نہیں عائشہ رضؓ پر یہ جھوٹا الزام ہے، اور ایک یہ سنا کہ انہوں نے آخر میں یہ بھی کہا کہ اگر سچ بھی ہے تو آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ طلاق دیدیجئے، آپ کے لئے عورتیں بہتیری ہیں۔ علی رضؓ نے یہ بھی کہا کہ آپ عائشہ رضؓ کی لونڈی سے تو دریافت کیجئے۔

آنحضرتؐ نے میری لونڈی کو بلا کر تحقیق کیا، تو وہ بولی، میں نے کبھی عائشہ رض کو خواب خیال تک میں نہ دیکھا، وہ نیند کی دکھیا ہے، اس کو تو رات دن سونے کے سوا کسی بات کا خیال نہیں، میں آٹا گوندھ کر رکھتی ہوں، اور کہتی ہوں، بیوی ذرا اس کا خیال رکھنا، وہ سو جاتی ہیں، اور آٹا بکری کھا جاتی ہے، جس کو گھر تک کا خاک فکر نہ ہو، وہ خراب خیال باہر کے کہاں پیدا کرے گی۔

آخر ایک دن آنحضرتؐ میرے گھر میں تشریف لائے، اور اماں سے پوچھا عائشہ رض کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا بیمار ہے۔

اس پر میں نے اماں سے کہا۔ تم آنحضرتؐ سے عرض کرو کہ میں تو وہی کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے گم ہونے کے وقت کہا تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یہ کہہ کر رونے لگی اور مجھ کو غش آگیا۔

اسی وقت آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی، اور میری پاکی اور بریت میں آیتیں اتریں (جو اٹھارھویں پارہ کے سورہ نور میں ہیں) اور خدا نے فرمایا، کہ یہ دشمنوں کا جھوٹا بہتان ہے۔

وحی آتے ہی آنحضرتؐ نے فرمایا:- عائشہ رض! مبارک ہو، خدا نے تیری بریت فرمائی، اور پھر آپ نے میرے ابا اور اماں کو آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ میرے ابا خوش ہو کر بولے:- عائشہ رض اٹھ اور رسول اللہؐ کے قدموں میں سر رکھ کر شکریہ ادا کر، میں نے کہا کیوں، ان کے قدموں میں سر کیوں رکھوں، اپنے خدا کا شکر نہ ادا کروں، جس نے مجھ کو تہمت سے پاک کیا، انہوں نے تو لگائی بجھائی پر یقین کر ہی لیا تھا۔

پھر آنحضرتؐ نے باہر جا کر مسلمانوں کو جمع کیا اور ان کو وہ آیتیں سنائیں اور جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی، ان کے کوڑے پٹوائے، جس کا شریعت میں حکم آیا ہے کہ جو کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو اس کے اسّی کوڑے مارو۔

خندق کی لڑائی

اسی ۵ہجری میں خندق کی مشہور لڑائی پیش آئی، اس کا واقعہ یوں ہوا کہ بنی نضیر یہودیوں کا حال سُن چکے ہو کہ ان کو آنحضرتؐ نے جان و مال کی امان دیکر جلاوطن کر دیا تھا۔ ان یہودیوں کے دو ایک سردار مکہ گئے۔ اور ابوسفیان سے کہا، ہم محمدؐ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ ہماری مدد کرو، وہ ملعون تو آنحضرت پر اُدھار کھائے بیٹھا رہتا تھا۔ اس درخواست کو سنتے ہی باغ باغ ہو گیا۔ اور کہا بسر و چشم حاضر ہوں۔ مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ پیارے وہ معلوم ہوتے ہیں، جو محمدؐ کے دشمن ہوں، اس کے بعد ابوسفیان نے لڑائی کا سامان شروع کیا، اور تمام کفارِ مکہ کو تیار کر کے پھر آس پاس کے مشرکوں کو بلاوا بھیجا۔ کرایہ کے سپاہی جمع کئے، قبیلۂ غطفان اور ان کے یار بنی اسد کو ساتھ ملایا۔ اور اس طرح دس ہزار پیادے سوار کی بھیڑ بھاڑ لے کر ابوسفیان آندھی کی طرح مدینہ پر چڑھا، اور بنی نضیر کے یہودیوں سے کہا کہ اب تم جا کر بنی قریظہ کے یہودیوں کو بھی سازش کر کے ساتھ ملالو۔ وہ محمدؐ کی رعیت بنے ہوئے مدینہ کے زیر سایہ آباد ہیں، اور محمدؐ سے اطاعت کا اقرار کر چکے ہیں، اگر وہ محمدؐ سے باغی ہو جائیں تو پھر چاروں طرف سے گھر جائے گا، اور ایک ہی حملہ میں ہم اس کا فیصلہ کر دیں گے۔

ابوسفیان کے کہنے سے یہ یہودی بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے بغاوت کی درخواست کی، انہوں نے جواب دیا۔ دیوانے ہوئے ہو، خود تو تباہ ہو کر جلاوطن ہو گئے، اب ہم کو بھی ویران کرنا چاہتے ہو۔ محمدؐ نے کوئی برائی ہمارے ساتھ نہیں کی۔ ہم کیوں کر اس سے بغاوت کریں۔

مگر بنی نضیر کے قاصدوں نے دم جھانسے دیکر آخر بنی قریظہ کو بغاوت پر راضی کر ہی لیا، آنحضرتؐ کو اس عظیم الشان لشکر کی چڑھائی کا حال معلوم ہوا،

تو اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کی کہ ایسے موقع پر خندق کھود لینی چاہیئے۔ اس کے اندر محفوظ ہو کر جنگ کریں گے، سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا، اور مدینہ سے نکل کر ایک میدان میں خندق کی تیاری شروع کی، ہر خاندان کے ذمہ کھدائی کا کام لگا دیا گیا، حضرت سلمانؓ کی نسبت بحث ہوئی کہ یہ کس برادری کے شریک ہو کر کام کریں گے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا سلمانؓ میرے اہل بیت میں ہے، اور میرے ہی ساتھ کام کرے گا۔

آنحضرتؐ خود بھی اپنے ہاتھ سے خندق کھودتے، مٹی کندھے پر اٹھا کر باہر ڈالتے، اور سارا دن عام مسلمانوں کے ساتھ برابر کام کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ سر سے پاؤں تک خاک میں اٹ جاتے تھے، ایسی سخت محنت تھی اور اس پر طرہ یہ کہ کھانے کا کچھ سامان نہ تھا، آنحضرتؐ پر تین تین وقت کے فاقے ہوتے تھے اور آپ پیٹ پر تین تین پتھر باندھ کر کام کرتے تھے، تاکہ خالی پیٹ کو پتھروں سے کچھ سہارا ہو جائے۔

موسم بھی خراب تھا، نہایت سخت سردی پڑتی تھی، اور ہاتھ سردی کے مارے کام نہ دے سکتے تھے، اس پر بھی آنحضرتؐ اور تمام صحابہ کی لگاتار محنت سے چند روز میں خندق تیار ہو گئی۔ وہ پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری تھی۔

ایک دن اس خندق میں ایک پتھر کی چٹان نکل آئی، جو کسی طرح نہ ٹوٹتی تھی۔ سینکڑوں آدمی کوشش کر کے تھک گئے، تو آنحضرتؐ کو خبر ہوئی، اور آپ نے تشریف لا کر تین کدالیں ماریں، اور اس کو پاش پاش کر دیا۔

لکھا ہے، تینوں دفعہ اس چٹان میں سے ایک آگ سی نکلی، اور اس میں روم و ایران و یمن کے شہر نظر آئے، اور آنحضرتؐ نے ان کے فتح پر بشارت دی،

خندق تیار ہو گئی تو آنحضرتؐ صحابہ کی فوج لے کر اس میں آ گئے، اور مدینہ کی فصیل درست کر کے بال بچوں کو وہاں چھوڑ دیا۔

اس اثنار میں خبر ملی کہ بنی قریظہ بھی باغی ہو گئے ہیں، ان کی بغاوت سے مسلمانوں کو بڑا خوف ہوا، اور حقیقت میں خوف کی بات تھی کہ بغلی گھونسہ اور آستین کے سانپ تھے۔

آنحضرتؐ نے بنی قریظہ یہودیوں کے پاس قاصد بھیجے، اور ان کو بغاوت سے باز رہنے کی نصیحت کی مگر وہ نہ مانتے آپ نے فرمایا کچھ ڈر نہیں خدا کارساز ہے سب دیکھ لیا جائیگا۔

کافروں کا لشکر آگیا، اور خندق کے چاروں طرف ڈیرے ڈالدیئے، مگر خندق کے سبب آگے نہ بڑھ سکا، اور بیس پچیس دن محاصرہ کئے پڑا رہا۔

رسولؐ کی چوکیداری

محاصرہ کے زمانے میں آنحضرتؐ جیسے عظیم الشان رسولؐ معمولی چوکیداروں کی طرح ساری ساری رات جاگ کر پہرہ دیتے پھرتے تھے، کہ غنیم کہیں شب خون نہ مارے، فاقہ، سردی، پھر رات بھر کا جاگنا، دن کو لشکر کے انتظامات کرنے، ایسی سخت محنت تھی، جس کا خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، مگر آنحضرت کو ان سب تکلیفوں کے ساتھ ایک صدمہ کا اور مقابلہ کرنا پڑتا تھا، اور وہ منافقوں کی شرارتیں تھیں، منافق مسلمانوں کی ہمتیں توڑے دیتے تھے، اور ایسی باتیں بناتے تھے کہ مسلمان کافروں کی کثرت اور اپنی بے سروسامانی سے گھبرا کر بھاگ نکلیں چنانچہ بہت سے مسلمان سراسیمہ ہوگئے تھے، مگر آنحضرتؐ حسن تدبیر سے ان کو بھی سنبھالتے تھے، اور چاروں طرف کی ظاہری، غیبی، قدرتی، موسمی، سب دشمنوں سے بالکل اطمینان کے ساتھ لڑ رہے تھے،

کافروں نے پچیس دن کے محاصرہ کے بعد حملہ شروع کیا، اور ایک رُخ سے خندق کے اندر گھس آئے، اور ان کے سب سے بڑے بہادر عمر بن عبدود نے خندق کے اندر آکر آواز دی، آؤ کون میرے مقابلہ کو آتا ہے؟

یہ شخص ہزار آدمیوں کی برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں میں کوئی شخص اس کی مثل لڑائی کا ہنر نہ جانتا تھا، اس واسطے کسی مسلمان کی ہمت نہ ہوئی جو اس کافر کے سامنے جاتا۔

عمرو بن عبدود نے کئی آوازیں دیں۔ مگر مسلمانوں میں سے کوئی آگے نہ بڑھا، تو حضرت علی رضؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کے مقابلہ میں جاؤں۔ آپ نے جواب نہ دیا، حضرت علی رضؓ نے پھر کہا، تب بھی آنحضرتؐ نے منہ پھیر کر خاموشی اختیار کی، کیونکہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ علی رضؓ اس کافر کے سامنے بالکل بچہ ہیں، یہ کیا اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔

لیکن اس کافر کو دیر ہو گئی، اور کوئی مقابلہ کو نہ گیا۔ تو اس نے مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کیا، اور کہا تم میں سے کوئی لڑنے والا نہیں ہے، تو لڑائی میں آنے کی کیا ضرورت تھی، اب تو حضرت علیؓ بیتاب ہو گئے۔ اور انہوں نے پھر آنحضرتؐ سے اجازت مانگی، اب کے آپ نے اجازت دیدی، اور آنحضرتؐ نے اپنی زرہ ان کو پہنائی، اپنا عمامہ ان کے باندھا، اور اپنے ہاتھ سے تلوار کمر میں لٹکائی اور فرمایا۔ جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا، اور اس کافر کو تمہارے حوالہ کیا۔

حضرتؐ علی مقابلہ میں گئے، تو وہ کافر بولا، تیرے باپ ابو طالب سے میری دوستی تھی، میں تجھ بچہ سے نہیں لڑتا، کسی اور کو بھیج، حضرت علی رضؓ نے فرمایا، تو نہ چاہے، مگر میں تجھ کو جہنم میں بھیجنا چاہتا ہوں، ہمت ہے تو آ، دو ہاتھ دکھا، یہ سنکر عمرو بن عبدود جل گیا، گھوڑے سے کود کر سامنے آیا، اور حضرت علی کے سر پر تلوار ماری جس سے سر میں زخم پڑ گیا۔ مگر حضرت علی رضؓ نے باوجود زخمی ہو جانے کے ایک ہاتھ ذوالفقار کا ایسا مارا کہ عمرو بن عبدود کی گردن کٹ کے دور جا پڑی مقابلہ میں گرد ایسی اڑ رہی تھی کہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس نے مارا، لیکن حضرت علی رضؓ نے قتل کر کے جب تکبیر کا نعرہ

بلند کیا۔ تو معلوم ہوا کہ کافر مارا گیا، کافروں میں سے تین بڑے سردار جن میں ایک حضرت عمرؓ کا بھائی بھی تھا، حضرت علیؓ پر جھپٹے، ادھر سے حضرت زبیرؓ اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کی مدد کو دوڑے، مگر حضرت علیؓ نے مدد آنے سے پہلے ہی ایک کو مار ڈالا، اور دو کو بھگا دیا،

حضرت عمرؓ نے اپنے بھائی پر حملہ کیا، مگر اس نے ان کو زخمی کر دیا اور خود بھاگ گیا، دیکھو اسلام میں کیا تاثیر تھی کہ حضرت عمرؓ نے بھائی پر حملہ کرنے سے دریغ نہ کی۔

عمرو بن عبد ود کے مرنے سے کافروں کی ہمت پست ہو گئی، کیونکہ اس پر ان کو بہت غرہ تھا، ابو سفیان بڑا ہوشیار تھا، خود سامنے نہ آیا، اوروں کو بڑھایا۔ جب اس نے یہ خبر سنی تو وہ بھی ہراساں ہو گیا۔

ادھر جب حضرت علیؓ آنحضرت کے سامنے آئے تو آپ نے انہیں شاباشی دی اور فرمایا:-

آج علیؓ کی یہ لڑائی قیامت تک میری امت کے سب کاموں پر فضیلت رکھے گی۔

دوسرے دن کفار نے پھر حملے شروع کئے، اور زور شور سے آپس میں جنگ ہوتی رہی۔

لڑائی کی چال

اسی دار و گیر کے زمانہ میں خدا کی قدرت سے آنحضرتؐ کو ایک غیبی مدد کا سبب مل گیا، اور وہ نعیم ابن مسعود نامی ایک شخص تھے، جو کفار کے لشکر سے نکل کر آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسولؐ اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں، مگر میرے اسلام کا ابھی کسی کو حال معلوم نہیں ہے میں لڑائی میں ایک چال چلنے کی اجازت مانگنے آیا ہوں، جس سے آپ کے دشمنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی، آپ نے اس کو اجازت دی کہ لڑائی میں چالبازی کرنی

جائز ہے۔

نعیم ابن مسعود سیدھے بنی قریظہ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا۔ تم نے بڑی غلطی کی جو محمدؐ سے باغی ہو گئے۔ دیکھ لینا، ہماری قوم کے لوگ اگر بھاگ گئے تو محمدؐ تم کو پیس ڈالیں گے، تم ہرگز یہ امید نہ رکھو کہ ہماری قوم تم کو محمدؐ کے ہاتھ سے بچا لے گی، اس واسطے میں تم کو ایک صلاح دیتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرو گے تو آفت سے بچ جاؤ گے، اور وہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ تم سے کہیں کہ ہمارے ساتھ آکر لڑو، تو کہدینا ہمارے پاس اپنے دس بیس افسر چھوڑ دو، تاکہ اگر تم کو شکست ہو تو تمہارے جانے کے بعد وہ ہماری مدد کریں۔ یہود بنی قریظہ نے اس رائے کو شکریہ کے ساتھ مان لیا، اور کہا ہم ایسا ہی کریں گے، بیشک ہم کو محمدؐ سے بعد کا بڑا کھٹکا ہے اور تیری رائے عین دوستی پر مبنی ہے۔

نعیم ابن مسعود ان سے کہہ کر ابوسفیان کے پاس آئے، اور اس سے کہا۔ کہ بنی قریظہ تو محمدؐ سے مل گئے۔ میرے سامنے اُن کا عہد ہوا کہ بغاوت کے قصور کے عوض ہم آپ کو قریش کے دس بیس سردار منگا دینگے، آپ ہماری خطا کو معاف کریں۔

ابوسفیان یہ سن کر بڑا گھبرایا۔ اور سب سرداروں کو جمع کر کے مشورہ کیا، انہوں نے کہا، کل بنی قریظہ سے مدد مانگ کر دیکھ لو، جھوٹ سچ معلوم ہو جائیگا۔

یہ دن جمعہ کا تھا، اسی وقت بنی قریظہ کے پاس قاصد گیا کہ کل آخری معرکہ کرنے کا ارادہ ہے، تم بھی آؤ، تاکہ سب ملکر لڑائی کا فیصلہ کر دیں۔

بنی قریظہ نے جواب دیا، کہ کل ہفتہ ہے اور ہم یہودی ہفتہ کے دن کچھ کام نہیں کر سکتے، اس کے علاوہ ہم کو اپنے چند سردار دو جن کو ہم اپنے پاس رکھیں گے تاکہ اگر تم کو شکست ہو تو وہ ہماری مدد کریں۔

یہ پیام سنتے ہی کفار اور ابوسفیان نے کہا نعیم سچ کہتا تھا، ہم ایک آدمی

بھی ان کو نہ دیں گے۔

کفار کا انکار بنی قریظہ کو معلوم ہوا، تو وہ بھی کہنے لگے، نعیم سچ کہتا تھا کہ یہ لوگ ہم سے دغا کرنی چاہتے ہیں۔ اور سب کے آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔

اور اسی اثناء میں بارش آندھی کا ایک طوفان آیا، جس سے کافروں کے خیمے اڑ گئے، جانور بھاگ گئے اور کفار ایسے گھبرائے کہ اسی وقت رات کو سب نے مکہ کی طرف کوچ کر دیا، اور صبح تک میدان صاف ہو گیا، یعنی سب کافر چلے گئے اور اس طرح اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور مسلمانوں کو کچھ بھی نقصان اس سے نہ پہنچا۔

بنی قریظہ پر حملہ

آنحضرتؐ اور مسلمان خندق سے نکل کر مدینہ آئے اور چاہتے تھے کہ آرام لیں، اتنے میں خدا کا حکم پہنچا، ابھی کمر نہ کھولو اور جا کر بنی قریظہ کا فیصلہ کرو۔

آنحضرتؐ نے فوراً منادی کرائی، اور اسی وقت سارا لشکر لیکر بنی قریظہ کو ان کی بغاوت کا مزہ چکھانے تشریف لے گئے، عرصہ تک یہودی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے، آخر عاجز ہوئے تو ہتھیار رکھ دیئے، اور قصور کی معافی مانگنے آئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:- مدینہ کے سردار سعد جو فیصلہ کر دیں مجھے منظور ہے کیونکہ میرے مدینہ آنے سے پہلے تمہارے ان کے تعلقات رہ چکے ہیں، اس پر یہودی خوش ہو گئے، اور انہوں نے جانا کہ سعد ہماری رعایت کریں گے، اور جان بخشی ہو جائے گی، حضرت سعد خندق کی لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے، اور اس جنگ میں ساتھ نہ تھے، آنحضرتؐ کے قاصد ان کو بلانے مدینہ گئے، اور لیکر آئے، راستہ میں یہودیوں کے طرفدار منافق مسلمانوں نے سعد کو خوب بہکایا اور یہودیوں سے رعایت کرنے کی سفارش کی، حضرت سعدؓ آنحضرتؐ کے سامنے حاضر ہوئے، تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا، کھڑے ہو جاؤ، اور اپنے سردار کی تعظیم ادا کرو، سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔